سے حسد نہ کرو، بغض نہ کرو اللہ کے خاص بندے ہو جاؤ اور بھائی بھائی بن کر رہو۔
حضور سید عالم ﷺ کا ایک ارشاد اس طرح ملتا ہے مجھے اپنی اُمت پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ اس کے پاس مال کی کثرت ہو اور آپس میں حسد کر کے کشت وخون کریں اس خطرناک بیماری کا علمی علاج یہ ہے کہ حاسد تقدیر خداوندی کا قائل ہو اور یہ یقین کر لے کہ اس کی تدبیر تقدیر کو بدل نہیں سکے گی۔

صدر ہزاراں مرد تر سا سوئے او
اندک اندک جمع شد در کوئے او

مکار وزیر کی مکاری سے لوگ متاثر ہو گئے اور تھوڑے تھوڑے جمع ہو کر قوت بن گئے۔

او بیاں مے کرد با ایشاں فصیح
دائما اقوال و افعال مسیح

یہ مکار اور فریبی وزیر عیسائیوں سے بڑی فصاحت اور اچھے انداز میں عیسیٰ علیہ السلام کے قول وفعل کے تذکرے کرتا۔

او بظاہر واعظ احکام بود
لیک در باطن صفیر و دام بود

اس وزیر کا ظاہر تو بڑا صاف تھا واعظ تھا احکام سناتا لوگوں کو گرویدہ کر لیتا تھا مگر اندر پلید تھا، سیٹی اور جال کا کام کرتا تھا یہ شخص اخلاص کی دولت سے محروم تھا، اِخلاص ہی وہ قیمتی شے ہے جس سے روح چمکتی ہے دوسرے لفظوں میں اسے تقویٰ کہہ لیں۔

تقویٰ کا انتہائی معیاری مقام اخلاص ہے جس سے دل کا شیشہ چمک اٹھتا ہے۔

عاشق آئینہ باشد روئے خوب
صیقل جان آمد از تقوی القلوب

حسین آدمی ہی شیشہ دیکھنے کا شوقین ہوتا ہے، بدصورت آدمی اپنے آپ کو دیکھنے میں شوق نہیں رکھتا اور یہ شیشہ دلوں کے تقویٰ سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ عبادات وریاضات کی قبولیت اخلاص سے ہی ہے۔ حدیث شریف میں ہے قیامت کے دن شہید سے پوچھا جائے گا تو دنیا میں کیا کرتا تھا، وہ کہے گا تیری راہ میں شہید ہوا میرا خون بہا، اعضاء کاٹے گئے، حکم ہوگا اسے دوزخ میں ڈالو عرض کرے گا یا اللہ کیوں ؟حکم ہوگا لڑنے مرنے میں تیرا خلوص نہیں تھا، تیرا نظریہ تھا مر گیا کٹ گیا تو لوگ شہید کہیں گے بچ گیا تو غازی ہوں گا۔ یہی کیفیت عالم کی ہوگی، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے اللہ رب العزۃ جل مجدہٗ کی ذات میں فنا ہو جانا اخلاص کا بلند مقام ہے۔

بہر ایں معنی صحابہ از رسول
ملتمس بودند مکر نفس غول

اس شعر میں مولانا وزیر کی مکاری عیاری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جیسے اس مکار وزیر نے عیسائیوں کو اپنے مکر وفریب سے تباہ کرنا چاہا تھا ایسے ہی انسان کے اندر نفس بھی ہے جو انسان کا دشمن ہے اور اس کی بربادی کیلئے ہر لحہ تدبیر کرتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ سے اس نفس کی مکاریوں کے متعلق پوچھتے رہتے تھے جیسے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملتا ہے لوگ

حضور ﷺ سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھا کرتا تھا اس سے ڈرتا رہتا تھا کہیں نفس کا شر فریب مجھے برباد نہ کردے۔ نفس کے شر سے بچنے کیلئے روزہ کی عادت بہترین علاج ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنے نفوس کی اصلاح کیلئے روزہ کا علاج بہترین علاج قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین علیہ الرحمہ کی حیات پاک میں روزہ کی کثرت پائی جاتی ہے اور آپ کے عقیدتمندوں نے بھی اپنے نفوس کی بہتری کیلئے اس علاج کو اہمیت دی ہے۔ صوفیاء میں اصلاح نفس کا اہم مرحلہ پیٹ بھر کر کھانے سے بچنا ہے۔ بھوکا رہنے سے نفس کی سرزنش ہوتی ہے، حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، مجاہدات ریاضات میں بھوک کو اہم مقام حاصل ہے کہ اس میں نفس کو ادب سکھانا ہے، پیٹ بھر کر کھانا شہوات کو فروغ دیتا ہے۔ احیاء العلوم شریف میں امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس عنوان پر بہت کچھ لکھا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں بھوکا رہنے والا مجاہد کا درجہ رکھتا ہے اور بھوک سے کوئی بہتر عمل نہیں، فرماتے ہیں آسمان کے فرشتے اس شخص کے پاس بالکل نہیں آتے جس نے اپنا پیٹ بھر کر عبادت کا مزہ ضائع کردیا۔ امام غزالی نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں میں جب سے ایمان لایا ہوں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ اپنے رب کی عبادت کا مزہ حاصل کرسکوں۔

کوچہ آمیزد ز اغراض نہاں
در عبادتہا و در اخلاص جاں

اس شعر میں نفس کی برائی کا ذکر فرماتے ہیں کہ نفس عبادات میں اور اخلاص

میں بہت سی خودغرضیاں ملا کر عبادات وریاضات کو بے معنی کر دیتا ہے اور بندے کو مخلصین کے زمرہ سے نکال دیتا ہے نفس کے مکروفریب بہت گہرے ہوتے ہیں۔

فضلِ طاعت نجستندے ازو
عیب باطن را بجستندے کہ گو

اس شعر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے اعمال صالحہ کی خوبیوں پر تبصرہ کم کرتے تھے، بلکہ باطن کی برائیوں اور نفس کی سازشوں کے متعلق زیادہ عرض کیا کرتے تھے۔

مُو بمو و ذرہ ذرہ مکر نفس
میشنا سیدند چوں گل از کرفس

صحابہ کرام کے اندازِ عمل کو بیان فرمارہے ہیں کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے فیض وکرم سے نفس کے چھوٹے سے چھوٹے مکروفریب اس طرح پہچان لیتے تھے جس طرح پھول کی خوشبو کو بدبو سے پہچان لیا جاتا ہے۔

گفت زاں فصلے حذیفہ باحسن
تابداں شد وعظ و تذکیرش حسن

اس شعر میں نفس کے مکروفریب سے بچنے اور اپنے اعمال کی اصلاح کیلئے عملی طور پر ایک مثال بیان فرمارہے ہیں۔ حضرت حسن بصری اپنے وعظ تبلیغ اشاعت دین کے سلسلہ میں بہت مشہور تھے، مولانا فرماتے ہیں حسن بصری کا یہ اندازِ تبلیغ اور

اصلاح نفس کی باتیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالواسطہ سنی ہیں انہیں کا فیض تازیست عوام میں نشر کرتے رہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء العلوم کتاب العلم وساوس کے باب میں فرماتے ہیں خواجہ حسن بصری کے کلام سے انبیاء علیہم السلام کے کلام کی مہک محسوس ہوتی ہے آپ کے خطاب کا اکثر و بیشتر عنوان نفس کے وساوس، اعمال کے فساد شہوات کے فتنہ پر ہوتا اور لوگ دلچسپی لیتے اور اپنی اصلاح کرتے ایک موقعہ پر لوگوں نے پوچھا حضور آپ نے یہ علمی جواہر پارے نفس کی اصلاح کے نسخے اور یہ قیمتی ادویات کہاں سے حاصل کیں تو فرمایا میرا یہ سب کچھ حذیفہ بن یمان (رضی اللہ عنہ) کا فیض ہے۔ اس عنوان پر حضرت حسن بصری کا وعظ حیرت انگیز مانا جاتا تھا، صاحب علم وفکر حضرات آپ کے بیان پر حیران و ششدر رہ جاتے تھے نفس کے مکرو فریب سے بچنے کیلئے مولانا بارگاہ رب ذوالجلال میں عرض کرتے ہیں۔

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم
چوں تو بامائی نباشد ہیچ غم

اگر نفس کے مکروفریب ایک ایک قدم پر ہزاروں بھی ہوں نفسانی مصائب کا شدید گھیراؤ ہی کیوں نہ ہو مگر تیرا وجود تیرا کرم تیرا فضل بندہ کے شامل حال ہو تو کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا۔ ایک اور مقام پر اسی عنوان کو اس طرح فرماتے ہیں:

چوں عنایات شود باما مقیم
کے بود بیمے ازاں دزد لئیم

اگر تیری مہربانیاں ہمارے ساتھ ہوں تو کمینے شیطان نفس سے قطعی کوئی خطرہ نہیں

دل بدو دادند ترسایاں تمام
خورچہ باشد قوت تقلید عام

اس شعر میں اُس مکاروفریبی وزیر کی بات کرر ہے ہیں کہ اس کے مکروفریب سے عام لوگ بہت متأثر ہوگئے اوراس جھوٹے فریبی کو کامل راہنما سمجھنے لگے غرضیکہ عیسائی اس کے دام تذویر میں پھنس گئے اس جعلی راہنما نے انہیں حق سے دور کردیا۔

در درونِ سینہ مہرش کاشتند
نائب عیساش مے پنداشتند

لوگوں کے سینوں میں اس کی محبت کا ایسا بیج لگ گیا کہ اُسے لوگ عیسیٰ علیہ السلام کا نائب سمجھنے لگے، یہ بات تو واضح ہے کہ عام لوگوں میں مستقل مزاجی کا تو کوئی پہلو ہوتا نہیں محض اپنے خیال پر جس کے ساتھ چاہیں چل جائیں، ان لوگوں نے اس ملعون وزیر کو اپنا رہبر وراہنما بنالیا۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا
ما چو مرغان حریص و بے نوا

اس شعر میں حضرت مولانا پریشان ہوکر اللہ سے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہماری مدد فرما، ہماری حالت تو حریص جانوروں کی ہے اور ہزاروں دام لگے ہوتے ہیں کسی نہ کسی دام میں پھنسنے کا خطرہ ہر وقت موجود ہے۔ مولانا دعا فرماتے ، اے اللہ ہزاروں لاکھوں جال اور دانے پھیلے ہوئے ہیں اور ہم بھوکے اور حریص

پرندے کی طرح گرفتار ہونے کو ہیں۔

یارب قدم قدم پہ ہے غار بلا یہاں
آ تا نظر نہیں مجھے رستہ نجات کا

دنیا کے ہزاروں کے جھنجیڑے رب سے دور کرنے کیلئے قدم قدم پر موجود ہیں ان مشکلات سے نجات صرف اسی کے فضل و کرم سے ہی مل سکتی ہے جس نے بھی دنیا کے کسی ایک مسئلہ سے دل لگا لیا وہ خدا سے غافل ہو گیا، دنیا کے جس ساز و سامان کی وجہ سے خدا سے غفلت ہو گئی وہی شے دنیا کے زمرے میں آ گئی اسی شے نے زندگی کو برباد کر دیا، حقیقت یہی ہے کہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے اور دنیا کی زندگی محض فریب ہے۔ قرآن مقدس نے فرمایا ''وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور'' دنیا کی زندگی دھوکہ کے بغیر کچھ نہیں۔

در جہاں مراہ شاں آرام نیست
کایں علف جز لائق انعام نیست

فرماتے ہیں اس سے جہاں میں اہل اللہ کو آرام نہیں اس لئے کہ یہ چارہ چوپائیوں کے لائق ہے۔

جس شخص کی محفل مجلس حسین باغ ہو، وہ بھٹی میں شراب کب پیئے گا، اسی باعث اہل اللہ کیلئے یہ دنیا بھٹی ہے اور آخرت تمنائیں، حسین باغ ہیں جس کیلئے موت کے طالب رہتے ہیں، درویش کیلئے یہ باغ و بہار دنیا کا حسن و جمال قید خانہ ہے اور یہ ملک و مال اس کیلئے مصیبت ہے۔ قرآن مقدس کا اشارہ بھی اسی طرف ہے ''انما

اموالکم و اولادکم فتنہ ''تمہارے مال تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں''

دمبدم پا بستہ دام نوایم

ہر یکے گرباز و سیمرغ شویم

نفس و شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی بات کرتے ہیں اور اپنی کمزوری کا ذکر کرتے ہیں، اے اللہ ہم ہر وقت کسی نہ کسی نئے جال میں پھنس جاتے ہیں ہم باز و سیمرغ ہی کیوں نہ ہو جائیں ہم کتنے ہی کامل کیوں نہ ہو جائیں پھر بھی نفس و شیطان کا جال ہم پر پڑتا رہتا ہے یہ تیری مہربانی ہے کہ تو نجات دیتا رہتا ہے اس نجات کا سبب نور و ہدایت ہے اور تعلیم نبوت ہے اور اہل اللہ کی صحبت اور محبت ہے جو ہماری دستگیری کرتی ہے، صوفیاء کی صحبت و محبت کو حضرت مولانا نے ایک اور مقام پر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اہل دل صوفی کامل ولی کی تھوڑی سی صحبت بھی کئی سالوں کی بے ریا عبادت سے قیمتی ہے۔ مولانا کا یہ نظریہ بظاہر مشکل سا دکھائی دیتا ہے کہ کسی ولی کی محفل کے چند منٹ کئی سالوں کی عبادت سے کیسے بہتر ہو جاتے ہیں، مثال سے بات سمجھ آ جاتی ہے ناواقف آدمی کی انگوٹھی سے نگینہ گر گیا اب یہ ناواقف بندہ کوشش کرتا ہے کہ وہ پھر انگوٹھی میں جُڑ جائے مگر چونکہ ناواقف ہے زرگر نہیں، دیر ہو گئی کامیاب نہیں ہوا، وہاں سے کسی کاریگر زرگر کا گزر ہوا اور اُسے اس کی پریشانی پر رحم آ جائے تو وہ یہی نگینہ ایک لمحہ میں جڑ

دے گا ہو سکتا ہے کوئی ناواقف آدمی اپنے دل میں عشق مصطفیٰ کا نگینہ باوجود محنت کے جڑ نہ سکے اور یہ کاریگر ولی کامل ایک نگاہ کرم سے جڑ دے، اس مثال سے مولانا کے شعر کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔

اگر جانور انسانوں سے بہت سی باتیں سیکھ سکتے ہیں تو کوئی کم علم شیخ کامل سے کیوں نہیں سیکھ سکتا۔

میر ہانی ہر دمے مارا و باز
سوئے دامے میر و یم اے بے نیاز

اے پیارے رب قدوس تو ہر لمحہ ہمیں مصائب سے پھندوں سے بچاتا ہے مگر ہم پھر بھی کسی نہ کسی جال کی طرف چلے جاتے ہیں۔اے اللہ تو نے ہماری ہدایت کیلئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا قرآن مقدس کا نزول فرمایا کہ ہم قیامت کے دن عذاب الٰہی سے بچ جائیں، انبیاء علیہم السلام کے بعد اولیاء، اَصفیاء کا وجود بھی ہماری اصلاح کیلئے بنایا مگر ہم پھر بھی گمراہی کے گڑھے میں گرنے اور شیطانی مکروفریب میں پھنسنے سے باز نہیں آتے۔

ما دریں انبان گندم مے کنیم
گندم جمع آمدہ گم مے کنیم

اس شعر میں مولانا انسانی کمزوری اور بے بسی کو ایک مثال سے پیش فرمار ہے ہیں کہ ہم اپنی بوری میں گندم بھر لیتے ہیں پھر اچانک وہی بوری خالی ہو جاتی ہے ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا محنت سے کمائی گئی گندم حفاظت سے بوری میں رکھی پھر ختم کیسے ہو گئی۔

مے بیدیشم آخر با بہوش
کایں خلل در گندمست از مکرِ موش

تھوڑے سے غور وفکر کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ گندم کا سارا نقصان چوہے کی شرارت سے ہوا۔

اس مثال سے بتانا چاہتے ہیں ہماری عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ صدقہ وخیرات کا صلہ ان اعمال صالحہ کی برکات نمایاں طور پر دکھائی نہیں دیتیں تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ اعمال صالحہ شیطان کی سازشوں نفس کی مکاریوں سے بے نتیجہ ہو گئے ہیں جیسے چوہے نے بوری کو کاٹ کر گندم برباد کر دی ایسے ہی شیطان نے اعمال صالحہ کو برباد کر دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور ﷺ سے کسی آدمی نے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ جھپٹنا شیطان کا ہے جو بندے کی نماز سے جھپٹ لیتا ہے۔

مُوش تا انبان ما حفرہ زدہ است
واز فنش انبارِ ما ویراں شدہ است

پچھلے شعر میں فرمایا تھا کہ جب ہمیں ذرا عقل و ہوش ہوئی تو ہم سمجھ گئے ہماری بوری سے گندم کس نے خراب کی وہ چوہے کی سازش تھی، اُسی عنوان کو اس شعر میں اس طرح فرماتے ہیں کہ شیطانی وسوسے کے چوہے نے ہمارے دل کے تھیلے میں رخنہ کر کے اپنے مکر وفریب سے ہماری ساری نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا۔ بندہ شیطانی وساوس میں پھنس جائے تو اس کے گندے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان

گندے اخلاق کو دور کرنے کا ایک طریقہ صوفیاء نے یہ بھی بتایا ہے کہ رزق حلال کا استعمال گندے اخلاق کو دور کر دیتا ہے۔ جس کھانے کے بعد علم وحکمت معرفت پیدا ہو جائیں تو سمجھ لو یہ حلال رزق کی برکت ہے، علم وحکمت عشق الٰہی رقت خدا خوفی رزق حلال سے آتے ہیں۔

اول اے جاں دفع شرّ موش کن
وانگہ اندر جمع گندم جوش کن

اس شعر میں مولانا روحانیت کو پروان چڑھانے، دل کی سیاہیوں کو دور کرنے کا نسخہ فرماتے ہیں اگر تو ترقی کی راہوں پر چلنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے شیطانی وسوسوں سے بچنے کا علاج کر، اخلاق وکردار کے بدنما داغوں سے اپنے دل کے شیشہ کو صاف کر پھر تجھے تیری عبادات وریاضات کے انعامات وبرکات کا پتہ چلے گا۔

بشنو از اخبار آں صدر الصدور
لا صلوٰۃ (تمّ) الا بالحضور

اس شعر میں حضرت مولانا اپنے موقف کی تائید میں حضور ﷺ کے ایک ارشاد گرامی کا ذکر فرماتے ہیں کہ نماز کی قبولیت کے درجہ پر پہنچانے کیلئے دل کی حاضری اِخلاص کا جذبہ ہونا بڑا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور دل کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں یعنی کمال درجہ نصیب نہیں ہوسکتا ورنہ خیالات کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں صوفیاء کہتے ہیں کہ نماز میں خیالات آئیں تو نماز نہیں ہوتی یہ اہل

اللہ کا مقام ہے ورنہ ہم جیسے گنہگاروں کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے یہ خیالات اُن چوہوں کی طرح ہی ہیں جو گندم کی بوری کو کاٹ کاٹ کر ضائع کر دیتے ہیں۔اسی عنوان کی تائید میں ایک اور حدیث شریف اس طرح ملتی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اپنے نمازی بندے پر برابر متوجہ رہتا ہے جب تک اس کے خیالات اُسے ادھر اُدھر پھیر نہیں لیتے۔

گر نہ موشے دزد در انبان ماست

گندم اعمال چل سالہ کجا ست

اس شعر میں فرماتے ہیں اگر ہماری گندم کی بوری اعمال صالحہ میں چوہا چور نہیں ہے تو پھر چالیس سال کی محنت عبادت و ریاضت کا اثر کیوں نظر نہیں آتا؟ چالیس سال کا ذکر اس لئے ہے کہ چالیس سال کو بندہ پہنچتا ہے تو اسے احساس پیدا ہوتا ہے کہ اتنی عمر ضائع ہو گئی، عبادات و ریاضات برباد ہو گئیں پھر اسے سمجھ آتی ہے کہ شیطان کی مکاریوں نے عبادت کی نعمت سے محروم کیا ہے۔حدیث پاک میں یہ عنوان اس طرح ملتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا ہے۔اگر نماز میں ریاکاری آ گئی شہرت کا خیال ہو گیا نیک نامی کیلئے نماز پڑھی گئی تو نہایت ضروری ہے کہ ایسے وساوس کو جس قدر جلد ہو سکے ختم کیا جائے کہ ایسے وساوس تو خدا سے دور کرتے ہیں جبکہ نماز خدا کے نزدیک ہونے کا ذریعہ ہے، بعض وساوس ایسے آ جاتے ہیں کہ دل کا خشوع و خضوع ختم ہو جاتا ہے ایسے وساوس بھی نہایت نقصان دہ ہیں جن سے ہر ممکن طریقہ سے بچا جائے ، ان تمام قسموں کے

وسوسوں سے بچنے کیلئے وظیفہ استغفار کی کثرت مفید ہے۔

لیک در ظلمت یکے دزدے نہاں
مے نہد انگشت بر استارگاں

عبادت و ریاضت کے بہترین ذخیرہ اور اس کو برباد کرنے والے نفس و شیطان کے چوہے کا ذکر تھا اسی عنوان کو پھر دہرایا جا رہا ہے کہ عبادت و ریاضت کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں جب وسوسوں کا چھپا ہوا چور عبادت کے ڈھیر پر انگلی رکھ دیتا ہے جس سے وہ اعمال صالحہ کا سارے کا سارا ذخیرہ بجھ جاتا ہے یہ مثال ایسے ہے رات کی تاریکی میں چور آیا، مالک مکان نے روشنی کرنا چاہی کہ چور کا پتہ چل جائے مگر یہ چور شریر تیز تھا وہ ہر مرتبہ بتی کو گل کر دیتا کہ روشنی میں وہ پکڑا نہ جا سکے۔ مولانا نے اسی مثال کو پیش کر کے فرمایا کہ دل جب عبادت سے روشن ہو جاتا ہے اور اس سے انوار غیب کے شرارے نکلنے لگتے ہیں تو شیطان جو پہلو میں چھپا ہے ان انوار کے شراروں کو بجھا دیتا ہے اور عبادت گزار کے حالات کو روشن نہیں ہونے دیتا۔

چوں عنایاتت شود باما مقیم
کے بود بیمے ازاں دردئیم

اس شعر میں بارگاہِ قدس سے دعا اور التجا کا انداز اختیار کر کے عرض کرتے ہیں اے رب قدوس جب تیری عنایات ہمارے ساتھ ہیں تو پھر ہمیں اس منحوس چور کا کوئی ڈر نہیں اس صورت میں اگر ہر قدم پر ہزاروں دجال بھی پھیلے ہوں تو پرواہ نہیں کہ تیرا فضل شامل حال ہے تیرے کرم کا حصار ہو تو پھر کسی قسم کا خطرہ نہیں کہ اس حصار

کوکوئی دشمن بھی توڑ نہیں سکتا۔اور یہ طاقت ور حصار مضبوط قلعہ نصیب کیسے ہوتا ہے اور اس کی عنایات دستگیری کب کرتی ہیں ۔صوفیاء کہتے ہیں بندے کو یہ بقا اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ فنا میں چلا جائے ،ایک مقام پر مولانا اس صورت حال کو اس طرح فرماتے ہیں

ایں بقاہا از فناہا یافتی
از فنائش او چرا برتافتی

جب حصار خداوندی میں آنے کی بقا تجھے فنا سے ملی ہے تو پھر فنا سے روگردانی کیوں ہو؟ اس شعر میں مولانا نے زور دیا ہے کہ شیطان لعین سے بچنے کیلئے خدائے قدوس کی عنایات ہی طلب کرتے رہو،اسی شعر کی تائید میں دوسرا شعر فرماتے ہیں۔

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم
چوں تو بامائی نباشد ہیچ غم

بارگاہ قدس میں عرض کرتے ہیں اے اللہ اگر تیرا ساتھ ہو تیرا فضل دستگیری کرے تو ہزار ہا دام بھی بے معنی ہو جاتے ہیں اس شعر میں صوفی سالک اور عارف بندے کو بتایا جار ہا ہے وہ اپنی عبادت وریاضت پر اعتماد بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد بھروسہ کا عمل مضبوط کرتا رہے بڑھتا رہے گا،روحانیت کی کامیابی خود استقبال کرے گی۔

ہر شبے از دام تن ارواح را
مے رہانی مے کنی الواح را

پہلے مضمون کی تائید میں بارگاہ قدس میں عرض کرتے ہیں تو خواب کی حالت میں روحوں کو جسم کی قید سے آزاد کر دیتا ہے، یہ سیرانی روحیں جسم کی قید و بند سے آزاد ہو کر ادھر اُدھر گھوم پھر کر آزاد رہتی ہیں اللہ اسی طرح تو ہمیں بھی باطنی خطرات کے پھندے اور قید و بند کی مصائب سے آزادی دلا دے تو تیرا کیا ہی کرم ہو۔

میر ہند ارواح ہر شب زیں قفس

فارغان بے حاکم و محکوم کس

اس شعر میں بھی پہلے شعر کی کیفیت کو بیان فرما رہے ہیں کہ ہماری روحیں ہر رات جسمانی پنجرے سے چھوٹ جاتی ہیں اور بغیر کسی افسر اور کسی محکوم کے پھرتی ہیں ایسے ہی ہمیں بھی شیطان و نفس کے مکر و فریب کے پنجرے سے آزاد کر دے تو تیرا کرم ہوگا۔

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں

شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

پہلے شعر کے عنوان کو دوسرے انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ قیدی رات کو خواب میں قید خانہ سے بے خبر ہوتے ہیں، بادشاہ اور کاروباری لوگ رات کو نیند میں اپنے اپنے کاموں سے غافل ہوتے ہیں اس شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ سبھی لوگوں پر غفلت کا عالم طاری ہوتا ہے۔

نے غم و اندیشہ سود و زیاں

نے خیال ایں فلاں و آن فلاں

نہ کسی کو فائدے کا غم ہوتا ہے نہ کسی کو نقصان کا خوف نہ کسی کو اس فلاں اور اس فلاں کا احساس ہوتا ہے، سونے کی حالت میں سیرانی روح نکل جائے قیدیوں کو قید کی خبر دیتی ہے، نہ سلطنت والوں کو دولت کی خبر دیتی ہے، نہ نفع کی فکر نہ نقصان کا اندیشہ نہ زید کا خیال نہ عمر کا۔ نتیجہ یہ کہ جس طرح روحوں کو روزانہ اتنی بڑی قید سے رہائی ملتی ہے، اگر ہم کو بھی باطنی آفات سے بے غم کر دیا جائے تو پیارے اللہ تجھے کیا دشوار ہے۔

حال عارف ایں بود بیخواب ہم
گفت یزداں ہم رقوذ زیں مرم

پچھلے اشعار میں عام لوگوں کے سونے کا ذکر تھا کہ جس طرح روحوں کو بدن سے آزادی بخش کر سبکدوش کر دیا جاتا ہے، اللہ اسی طرح ہمیں بھی باطنی خطرات کے پھندے سے آزادی دلا دے، اس شعر میں اولیاء اللہ کے سونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے عام لوگوں کے سونے کے ذکر کے بعد خاص لوگوں کی نیند کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ والوں کا حال خواب کے بغیر بھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ جسمانی قید سے آزاد ہوتے ہیں، جیسے خدائے قدوس نے اصحاب کہف کے واقعہ میں فرمایا ہے ”تحسبہم ایقاظا وھم رقود“ تو انہیں جاگتے سمجھتا ہے حالانکہ وہ سو رہے ہیں یہ اصحاب کہف اپنے وقت کے ایک بادشاہ دقیانوس کے ظلم سے بچنے کیلئے ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے انہیں اس غار میں ایسی نیند آئی کہ عرصہ گزرنے کے بعد اسی خواب استراحت میں پڑے ہیں ان کی آنکھیں کھلی ہیں اور بظاہر جاگتے محسوس ہوتے ہیں، رب قدوس

نے ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے ''وھم وقود'' عارف کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ جسمانی قید سے آزاد ہوتا ہے بتانا چاہتے ہیں دنیا دار تو ایک معین وقت میں اسباب سے بے خبر ہوتا ہے جسے خواب کہتے ہیں مگر عارف اول ہر وقت دنیا کے تعلقات سے بے خبر رہتا ہے وہ اس استغراق کے ساتھ اپنے رب قدوس سے وابستہ ہوتا ہے گویا وہ ہر وقت دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے سو رہا ہے جیسے کسی نے خوب کہا ہے۔

آزاد نہیں قید میں زنجیر کے ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

مولانا نے عارف اور غیر عارف کے فرق کو واضح کیا ہے جیسے اصحاب کہف بیدار نظر آتے ہیں اور حقیقت میں وہ مصروف خواب ہیں ایسے ہی عارف لوگ بھی بظاہر جاگتے نظر آتے ہیں مگر درحقیقت بے خود ہیں اور جسمانی تعلقات سے آزاد ہیں۔

خُفتہ از احوال دنیا روز و شب
چوں قلم در پنجہ تقلیب رب

عارف کی کیفیت کو مزید بیان فرماتے ہیں کہ عارف دنیا کے حالات سے سویا ہوا ہے اور کاتب کے قلم کی طرح خدا کے دست تحریک سے الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے، عارف کے حال کو اصحاب کہف کے واقعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے ''ونقلبھم ذات الیمین و ذات الشمال'' ہم ان اصحاب کہف کو دائیں بائیں پہلو پر کروٹ دیتے رہتے ہیں، یہ یہی حال عارف کا ہے ہم اس کے اندر بھی ایسے ہی

حالات بدلتے رہتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ عارف کو اپنے پر کوئی عمل دخل نہیں وہ تو قلم کی طرح کاتب کے قبضہ میں ہے جیسے کاتب چاہے قلم کرتا ہے، عارف کے عمل کو یوں سمجھا جائے کہ اس نے اپنے ارادہ کو اپنی رضا کو اس قدر محو کر دیا ہے کہ وہ جو نیک عمل کرتے ہیں گویا ان سے طبعاً صادر ہوتے ہیں جیسے بدر والوں کے متعلق فرمایا گیا ''اعملو ما شئم قد غفرت لکم'' جو چاہو کرو تمہیں معاف کر دیا گیا ہے۔اس کا معنی یہ ہوا کہ ان لوگوں سے نیک عمل کے سوا کوئی اور عمل سرزد ہو ہی نہیں سکتا تھا، ایسے ہی خاصان خدا کا فعل ہر چند امتیاز رہے مگر لازم طبیعت بن جانے کے سبب سے قلم سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آنکہ او پنجہ نہ بیند در رقم
فعل پندارد بہ جنبش از قلم

جو بندہ لکھتے وقت ہاتھ کو نہیں دیکھتا وہ اس کام کو قلم کی حرکت سے وجود میں لاتا ہے،

مولانا فرمانا چاہتے ہیں یوں تو سب کچھ اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہے مگر ہر شخص کو اس کا احساس نہیں ہوتا، احساس صرف مرد مومن عارف کو ہی ہوتا ہے اس شعر میں فرمایا گیا ہے جو شخص صرف ظاہری سبب کو دیکھتا ہے اُسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ قلم لکھ رہا ہے اُسے ہاتھ دکھائی نہیں دیتا جو قلم کو چلا رہا ہے اس بندے کی نظیر حقیقی سبب پر نہیں بلکہ سفلی اسباب پر ہے مولانا فرمانا چاہتے ہیں، تمام قسم کے اسباب افعال اختیاری ہوں یا غیر اختیاری ان تمام اسباب کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے۔

شمہ زیں حال عارف و انمود
خلق را ہم خواب حسّی در ربود

فرماتے ہیں عارف کے حال کا کچھ نمونہ رب قدوس نے محسوسات کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ مخلوق کو بھی خبر وارد ہوتی ہے جو ظاہری ہے اور عارف کو جو نیند وارد ہوتی ہے وہ "سُکر" ہے، بے خودی یعنی جیسے سونے والا خواب میں ہوتا ہے اور اُسے اپنا کچھ پتہ نہیں ایسے عارف کی مثال ہے کہ وہ کیف و بے خودی کے عالم میں اپنے آپ سے بے نیاز ہوتا ہے۔

رفتہ در صحرائے بے چوں جانِ شاں
روح شاں آسودہ و ابدان شاں

عارف اور غیر عارف کی کیفیت کو واضح فرما رہے ہیں، حسّی خواب کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک بے مثل عالم کی طرف نکل جاتی ہے، جسم کہیں رہ جاتا ہے مگر عارف کی روح کی مثال یہ نہیں عارف کی اس حالت میں اس کی روح اور اس کا بدن دونوں آرام میں ہوتے ہیں۔

روز آخر چو بازریں سپر
ہندوے شب را بہ بہ تیغ افگندہ سر

خواب کی حالت کا انجام فرماتے ہیں جب ان کا سپاہی یعنی سورج رات کو کاٹ دیتا ہے یعنی دن چڑھ جاتا ہے تو کیفیت یہ ہوتی ہے

میل ہر جانے بسوئے تن بود
ہر تنے از روح آبستن بود

جب دن چڑھ جاتا ہے تو ہر جان کا میلان بدن کی طرف ہوتا ہے اور ہر بدن روح سے وابستہ ہوتا ہے۔

از صفیرے باز دام اندر کشی
جملہ را در دام درد آور کشی

اس شعر میں مولانا بارگاہِ قدس سے عرض کرتے ہیں اے رب قدوس تو پھر شکاری کی طرح لپیٹی دے کر جال بچھا دیتا ہے اور تمام روحوں کو بدن کے تکلیف دہ جال میں ڈال دیتا ہے۔روح کا تصرف سارے جسم میں بیداری کی صورت میں ہوتا ہے پھر جب نیند آ جاتی ہے تو یہ تصرف ختم ہو جاتا ہے اور جسم بے کار ہو کر آرام کرتا ہے اور جاگنا جسم کیلئے ایک تکلیف دہ جال ہے یا مصیبت ہے کہ اسے جاگنے کی حالت میں روح کی خدمت کرنا پڑتی ہے۔

چونکہ نور صبح دم سر برزند
کرگس زریں گردوں پرزند

جوں ہی صبح کی روشنی پھیلنے لگتی ہے اور سنہری گرہ اُڑنے لگتی ہے یعنی سورج طلوع ہوتا ہے۔

فالق الاصباح اسرافیل وار

جملہ را در صورت آرد زاں دیار

صبح کو پیدا کرنے والا اللہ اسرافیل کی طرح سب کو عالم مثال سے عالم صورت میں لاتا ہے جیسے اسرافیل کے دوبارہ صور پھونکنے سے سب لوگ جو پہلے نیند میں مردہ کی طرح بے حرکت تھے صبح کے آنے پر بیدار ہو جاتے ہیں۔

روح ہائے منبسط را تن کند

ہر تنے را باز آبستن کند

عالم خواب سے بیداری کی کیفیت کو فرمایا جا رہا ہے کہ خواب میں کھلی پھرنے والی روحوں کو بدن میں مقید کر دیتا ہے ہر بدن کو پھر روح بار بردار کر دیتا ہے۔

اسپ جانہارا کند عاری زریں

سرّ النوم اخ الموت است ایں

روحوں کے گھوڑے سے دنیا کے معاملات اتار ڈالتا ہے اور انہیں آزاد کر کے کھلا چوڑ دیتا ہے۔

حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ نیند موت کی بہن ہے، یہ معناً ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ کیا اہل جنت سوئیں گے تو فرمایا نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت کو موت نہیں آئے گی۔

لیک بہر آنکہ روز آیند باز
بر نہد بر پائے شاں بیند دراز

لیکن جب وہ روحیں رات بھر اپنی حالت میں گزارنے کے بعد ان کو واپس آجائیں تو ان کے پاؤں میں زندگی کی لمبی رسی باندھ رکھتا ہے۔

تا کہ روزش و اکشد زاں مرغزار
وز چراگاہ آردش در زیر باز

فرماتے ہیں یہ رسی اس لئے اس کے پاؤں میں باندھ رکھتا ہے کہ دن میں اس کو اس سبزہ زار (عالم مثال) میں کھینچ لائے اور چراگاہ (خواب) سے اس کو واپس لا کر دوبارہ دنیا کا بوجھ اس پر ڈال دے، حضرت مولانا کے اس شعر کو سمجھنے کیلئے یہ مثال مناسب رہے گی جیسے کسی جانور کو چرنے کیلئے چھوڑ دیا جائے اور اس کے پاؤں میں رسی باندھ دی جائے کہ مالک جب چاہے رسی کھینچ کر اُسے چراگاہ سے واپس بلائے ایسے ہی یہ صورت ہے سونے والے کی روح چراگاہ عالم مثال میں گھومتی رہتی ہے چونکہ قید حیات کی رسی اس کے پاؤں میں پڑی ہے جاگنے کی کوئی بھی کیفیت جب اُسے جھٹکا دیتی ہے تو روح فوراً پہلے ٹھکانے پر آپہنچتی ہے مولانا فرماتے ہیں، اہل اللہ کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ ان کی روحوں کا تعلق بھی دو عالموں سے ہے عالم دنیا سے بھی تعلق ہے اور عالم معرفت سے بھی جس سے وہ مشاہدہ قدرت میں مستغرق ہوتے ہیں۔

کاش چوں اصحاب کہف آن روح را
حفظ کر دے یا چو کشتی نوح را

قید حیات کی وجہ سے جو دنیا کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے اس حالت سے بیزاری کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کاش اصحاب کہف کی طرح لمبے عرصہ تک دنیا میں نہ آتے یا نوح علیہ السلام کی طرح کچھ وقت کیلئے ہی دنیا کے مصائب سے نجات ملتی۔

تا ازیں طوفان بیداری و ہوش
وار ہیدے ایں ضمیر و چشم و گوش

پہلے شعر میں تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش اصحاب کہف کی طرح ہمیں بھی لمبا آرام نصیب ہو یا کم از کم نوح علیہ السلام کی طرح کچھ محدود عرصہ کیلئے ہی نجات ملتی۔
اس شعر میں فرماتے ہیں یہ تمنا اس لئے ہے کہ جاگنے اور باہوش ہونے میں جو ایک احساس ہے وہ غم اندوہ کا سبب ہے اور مصیبتوں کا ایک طوفان ہے اور دنیا کے موارث سے بے خبر رہنا ایک عظیم سکون ہے۔

اے بسا اصحاب کہف اندر جہاں
پہلوئے تو پیش تو ہست ایں جہاں

پچھلے اشعار میں اصحاب کہف کی عظمت کا ذکر تھا اور عام لوگوں کی خواب کا بیان تھا اس میں فرماتے ہیں اے طالب! تو اصحاب کہف کی باتیں کر رہا ہے سن رہا ہے حالانکہ خود تیرے پاس بہت سے اصحاب کہف اس جہاں میں بھی موجود ہیں،

اصحاب کہف کے باطن جیسے اہل اللہ دنیا میں آج بھی موجود ہیں مگر لوگوں کو خبر نہیں۔

غار با تو ویار با تو سر سرود
مہر بر چشمست و بر گوشت چہ سود

فرماتے ہیں تیرے یار دوست تیرے ساتھ گانے بجانے میں مصروف ہیں مگر فائدہ کیا تیرے کان اور آنکھ پر تو غفلت کی مہر لگی ہوئی ہے، اس دنیا میں بہت سے اللہ والے موجود ہیں جو تم میں ملے جلے رہتے ہیں وہ کامل لوگ کمالات کے لحاظ سے اصحاب کہف سے مشابہت رکھتے ہیں مگر ان کی پہچان نہیں کہ دل غافل ہے۔

باز داں کز چیست ایں رو پوش ہا
خم حق بر چشم ہاو گوش ہا

قاری سے فرماتے ہیں اب خود سوچ کہ یہ حجابات اور آنکھوں کا یہ نور کانوں کی یہ کیفیت کس وجہ سے ہے۔ اس راز کو مولانا اگلے اشعار میں مثال دے کر سمجھا رہے ہیں۔

سوال کردن خلیفہ از لیلیٰ وجواب او

خلیفۂ وقت کا لیلیٰ سے سوال کرنا اور اس کا جواب

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشاں و غوی

خلیفہ وقت نے لیلیٰ سے کہا تو ہی وہ مشہور معشوق ہے جس پر مجنوں پریشان اور دیوانہ تھا۔ خلیفہ وقت نے تعجب و حیرانگی سے لیلیٰ سے سوال کیا تو ہی وہ لیلیٰ ہے جس پر مجنوں مرتا ہے۔ یہ سوال ایسے ہی ہے جیسے سعدی کہتے ہیں یہ پھول جس کا نہ رنگ ہے نہ مہک ہے حیرت ہے بلبل اس پر فریفتہ کیوں ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش جو نتو مجنوں نیستی

خلیفہ نے کہا لیلیٰ تو دوسرے حسینوں سے کوئی زیادہ حسن و جمال تو نہیں رکھتی ،لیلیٰ نے کہا آپ چپ رہئے کہ آپ مجنوں نہیں لیلیٰ نے کہا اے بادشاہ وقت میرے حسن و جمال کو دیکھنے کیلئے مجنوں کی آنکھ چاہئے اور وہ آپ میں ہے نہیں۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بُودے ترا

لیلیٰ نے کہا جناب خلیفہ اگر آپ کی آنکھ مجنوں کی سی ہوتی تو آپ کے نزدیک میرے مقابلہ میں دونوں جہاں ہیچ ہوتے۔ بادشاہ آپ تو باخود ہیں اپنے عقل وشعور سے ہیں اور مجنوں کی یہ حالت ہے کہ وہ بے خود ہے وہ اپنے میں نہیں، بے ہوش ہے مجنون ہے اُسے تو اپنی خبر ہی نہیں اور عشق کی راہ میں باخبر ہونا عقل و ہوش سے کام لینا معیوب ہے مجنون بے خود ہو کر باہوش ہے اور آپ باخود ہو کر عشق سے دور ہیں۔

لیلیٰ کی یہ مثال دے کر مولانا فرماتے ہیں وہ پردہ جو اللہ والوں کی شناخت سے رکاوٹ بنتا ہے وہ پردہ بیداری اور اپنی ہستی کا احساس ہے جیسے یہ احساس خلیفہ کو

لیلیٰ کے حال کا مشاہدہ کرنے سے رکاوٹ ہے اسی طرح لوگوں کو اہل اللہ کی شناخت سے باز رکھتا ہے، مولانا مثال سے فرماتے ہیں اگر اللہ والوں کے کمال کو دیکھنے کا شوق ہو پھر ضروری ہے کہ اپنی بے خودی کا احساس نہ رکھو۔

هر که بیدارست او در خواب تر
هست بیداریش از خوابش بتر

فرماتے ہیں جو بندہ دنیاوی کاروبار میں پھنسا رہتا ہے اور بیدار ہے اُسے سمجھو وہ بندہ خدا کی یاد سے غافل ہے اور گہری نیند سو رہا ہے اس کا یہ جاگنا خواب سے بھی برا ہے۔

چوں بحق بیدار نبود جان ما
هست بیداری چو در بندان ما

فرماتے ہیں جب ہماری جان اللہ تعالیٰ کے لئے بیدار نہ ہو اور اس کی ذات میں محو ہونے سے عاری ہو تو ہمارا یہ جاگنا بیدار رہنا ایک جیل خانہ ہے جس میں قید ہیں دنیا کی بیداری، تعلقات کی مصروفیت یہ ایک قید خانہ ہے اور ہماری دنیوی مصروفیتیں یہ ہمارے پاؤں کی بیڑیاں ہیں اور ہتھکڑیاں ہیں جو ہمیں بارگاہ محبوبیت تک جانے سے رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

جاں همه روز از لکد کوب خیال
وز زیان و سود و از خوف زوال

نے صفا میماندش نے لطف و فرّ
نے بسوئے آسماں راہ سفر

ان دونوں اشعار میں فرمایا جان کہ سارا دن خیالات کی بھرمار، نفع ونقصان کے تصورات سے پریشان رہتی ہے نہ اس میں صفائی رہتی ہے نہ پاکیزگی کا کوئی انداز ہوتا ہے نہ ہی مصروفیت حق کا موقعہ ملتا ہے نہ ہی آسمان کی طرف راہ سفر ہوتا ہے۔ صبح و شام محض دنیاداری میں گزر جاتے ہیں، بتانا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے مشاغل مصروفیتیں روحانی عروج کیلئے رکاوٹ ہیں۔

خفتہ آں باشد کہ او از ہر خیال
دارد اُمید و کند با اُو مقال

اس سے پہلے اشعار میں ذکر تھا دنیا کی بیداری غفلت ہے اور اللہ کے وہ بندے جن پر یاد الٰہی کی سستی طاری ہے وہ بیدار ہیں۔ اسی عنوان کی تاکید اس شعر میں ہے کہ یاد الٰہی میں مست لوگوں کو غرق خواب نہ سمجھو، خوابوں میں اُلجھے ہوئے تو وہ لوگ ہیں جو اپنی بیہودہ خواہشات کے نشہ میں مست رہتے ہیں اور یاد الٰہی سے غافل ہوتے ہیں۔

نے چنانکہ از خیال آید بحال
آں خیالش گردد او را صد وبال

اس شعر میں مولانا دنیادار، حریص، ہوس پرست اور ایک عارف عاشق کے

تخیّلات کا مقابلہ کر کے حقیقت واضح کرتے ہیں، فرماتے ہیں دنیا دار کا خیال عارف کے خیال کا مقابلہ نہیں کر سکتا کہ دنیا دار بھی صاحب ذوق عارف کی طرح وجد میں آ جائے اور کسی باذوق مقام تک پہنچ جائے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ اس دنیا دار کا خیال تو اس کیلئے بے شمار مصیبتوں کا باعث بن جاتا ہے۔

دیورا چو حور بیند او بخواب
پس ز شہوت ریزد او بادیو آب

پچھلے شعر میں دنیا دار حریص کے خیال کو مصیبت فرمایا اُسی کیف کی تشریح اس شعر میں بیان کر دی گئی ہے کہ دنیا دار تو خواب میں شیطان کو حور محسوس کر کے اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے عارف کی یہ صورت حال نہیں۔

چونکہ تخم نسل در شورہ بریخت
او بخویش آمد خیال ازوے گریخت

دنیا دار کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ جونہی دنیا دار سونے والا شیطان سے صحبت کر کے فارغ ہوتا ہے تو وہ جاگ جاتا ہے، اور جس سے خواب میں اس نے صحبت کی ہے وہ نظروں سے غائب ہے، عارف ایسے خیالات سے پاک ہوتا ہے۔

ضعف سر بیند ازاں و تن پلید
آہ ازاں نقش پدید نا پدید

اس دنیا دار کو خواب میں احتلام ہو جاتا ہے اور جاگتا ہے تو وہ اپنے اندر

کمزوری محسوس کرتا ہے اور اپنے جسم کو پلید پاتا ہے۔

مرغ بر بالا پراں و سایہ اش
میدود بر خاک پراں مرغ وش

دنیادار کی خیالی پرواز کی مثال فرماتے ہیں کہ اس کی مثال تو ایسے ہے جیسے اوپر پرندہ اُڑ رہا ہے اور اس کا سایہ پرندے کی طرح زمین پر اُڑتا جاتا ہے۔

ابلہے صیّاد آں سایہ شود
میدود چنداں کہ بے مایہ شود

پرندے کا سایہ جو زمین پر اُڑتا دکھائی دے رہا ہے کوئی کم عقل شکاری اس سایہ کو شکار کرنے کیلئے دوڑ لگاتا ہے، وہ شکار نہیں کر سکتا اور اپنی بے وقوفی کے باعث تھک جاتا ہے یہی حالت دنیادار کے خواب وخیال کی ہے۔

بے خبر کاں عکس آں مرغ ہوا ست
بے خبر کہ اصل آں سایہ کجاست

وہ بے عقل شکاری کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ تو اڑنے والے پرندے کا سایہ ہے اور وہ کم عقل یہ نہیں جانتا کہ اس سایہ کا اصل کہاں ہے؟

تیر اندازد بسوئے سایہ او
ترکشش خالی شود در جستجو

وہ پاگل شکاری سایہ پر ہی تیر مارتا جاتا ہے اور اُسی سایہ کو حقیقی جاندار سمجھ کر

اپنا ترکش خالی کر لیتا ہے اس کے پاس ایک تیر بھی نہیں بچتا۔ مولانا نے خواب کے اندر خیالی تصویر کے ساتھ صحبت کرنے والے کی مثال فرمائی ہے کہ وہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی سایہ کو مرغ سمجھ کر اس پر تیر اندازی کرتا ہے اور اپنے سارے تیر ضائع کر بیٹھتا ہے یہ مثال دنیا کے پریشان کن خیالات کی مذمت ہے۔ کہ وہ اپنے غلط تصورات نظریات کے باعث زندگی برباد کر لیتا ہے، اگلے شعر میں واضح طور پر اس کی ناکامی نقصان اور زندگی کی بربادی کا ذکر کرتے ہیں۔

ترکش عمرش تہی شد عمر رفت
از دویدن در شکارِ سایہ تفت

جانور کے سایہ کو جانور سمجھ کر تیر مارنے والے کے متعلق فرما رہے ہیں اسی طرح اس دنیادار کی عمر کا تیر دان خالی ہو گیا جو یادِ الٰہی سے غافل رہا اس کی عمر برباد ہو گئی سایہ کو شکار کرنے کی کوشش میں برباد ہو گیا اس شخص نے بے معنی کوششوں میں عمر برباد کر دی۔

سایۂ یزداں چو باشد دایہ اش
وارہاند از خیال سایہ اش

فرماتے ہیں اگر اس عمر برباد کرنے والے فضول شخص کی تربیت کرنے والا کوئی ولی کامل ہو تو اسے بربادی سے بچا لے گا، اس شعر میں نگران محافظ کو دایہ کے لفظ کے تعبیر کیا گیا چونکہ دایہ بچے کی نگرانی اس کی حفاظت میں ماہر و تجربہ کار ہوتی ہے ایسے ہی اس کی اصلاح اور بہتری کیلئے کوئی روحانی شیخ ہی ضامن ہو سکتا ہے۔

سایہ یزداں چو باشد بندۂ خدا

مردۂ ایں عالم و زندہ خدا

خدا کا خاص بندہ مرشد کامل خدا کا سایہ ہوتا ہے جو اس جہان کے تعلقات سے مردہ ہوتا ہے اور رب قدوس کے تعلقات سے زندہ ہوتا ہے، اس شعر میں مولانا دنیا کی فانی اور برباد زندگی کا ذکر کرتے ہیں کہ اس سے بچا جائے اور اس تباہی سے بچانے کیلئے کسی شیخ کامل کی راہنمائی ہی کام دے سکتی ہے۔

دامن او گیر زُوتر بیگماں

تا رہی از آفتِ آخر زماں

تباہ کن اور برباد زندگی سے بچنے کیلئے طریقہ بتا رہے ہیں کہ بہت جلد کسی شیخ کامل کا دامن پکڑ لے تا کہ تو آخر زمانے کی مصیبت سے بچ سکے، آخر زمانے سے مراد زندگی کے آخری لمحات بھی ہوسکتے ہیں کہ تیری موت ایمان پر ہو، آخر زمانے سے مراد قیامت کے قریب دجال کے مکروفریب سے بچنا بھی ہوسکتا ہے۔ آخر زمانے سے مراد قیامت کے دن کی مشکلات بھی ہوسکتی ہیں۔ شعر میں بیگماں لفظ آیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ شیخ کے ساتھ مکمل اعتماد اور کامل اتباع ہو۔

کیف مد الظل نقش اولیاست

کو دلیلِ نور خورشید خدا ست

اس شعر میں حضرت مولانا نے قرآن مقدس کی ایک آیہ مبارکہ کی طرف

اشارہ کیا ہے"الم تر الی ربك کیف مد الظل ولو شاء لجعلہ ساکنا "اے محبوب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے کس طرح سایہ کو لمبا کیا اگر چاہے تو اسے ساکن کر دے پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا۔اس مد الظل میں جو سایہ کا اشارہ ہے اس سے مراد اولیاء کرام کا وجود مبارک ہے جو خورشید حق کے نور کی طرف راہنما ہے۔

حضرت مولانا نے اس مثال سے مراد اولیاء اللہ لئے ہیں کہ جس طرح ظاہری سایہ سے سورج اور اس کی رفتار کا پتہ چلتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ کی ذات بابرکات سے جو ظل اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اندریں وادی مرو بے ایں دلیل
لا احب الآفلیں گو چو خلیل

اس سلوک کی وادی میں بغیر راہبر و رہنما کے نہ چل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح لا احب الافلین کا قائل ہو پھر کامیابی ہوگی،اس شعر میں سالک کو ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تو بھی وہی راستہ اختیار کر وہ راستہ یہ تھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چمکتا ستارا دیکھا جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا میں ایسے فانی ہو جانے والے کو پسند نہیں کرتا،سالک کو بھی چاہئے کہ اس فانی دنیا میں جی نہ لگائے حقیقت پر نگاہ رکھے اور غیر خدا کا گرویدہ نہ بنے۔

رو زسایہ آفتابے را بیاب
دامن شہ شمس تبریزی بتاب

پچھلے اشعار میں شیخ کامل کی اتباع کا ذکر تھا،اولیاء کو ظل اللہ "اللہ کا سایہ" کہا گیا تھا۔ اس شعر میں بھی اس عنوان کی تائید ہے کہ جاؤ ظل اللہ شیخ کامل کے وسیلہ سے آفتاب حق کو ملو،اب اس شیخ کامل کے ذکر میں مولانا اپنے شیخ حضرت شمس تبریزی کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ شیخ کامل ہیں ان کا دامن پکڑ واور حق سے ملو۔

مولانا کا نظریہ ہے کہ خدا تک پہنچانے کیلئے اہل اللہ کی دامنگیری بہت ضروری ہے انسانی وجود روح اور جسم دونوں سے وابستہ ہے جیسے جسم کی پرورش کیلئے ہر انسان ہر لمحہ متوجہ رہتا ہے ایسے ہی بہت ضروری ہے کہ روح کی پرورش کیلئے بھی مستعد ہو،روح کو اپنے وطن سے وابستہ رکھنے اور اُسے اس کی خوراک پہچانے کیلئے شیخ کامل سے وابستگی اس کی دامن گیری بہت ضروری ہے، شیخ کی عقیدت و محبت سے درد دل پیدا ہوتا ہے جو فقیروں کی بہت بڑی دولت ہے۔

حضرت مولانا نے اس شعر میں مرشد کی اہمیت واضح کی ہے مرشد کی صحبت سے دلجمعی پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ پیر کے ذریعہ مرید کا رابطہ عالم ملکوت سے ہو جاتا ہے اور رب قدوس کی طرف راستہ کھل جاتا ہے اس راستہ کو کھلا رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ دل میں درد و اضطراب ہو پھر یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہے، درد دل نہ ہوا تو یہ دروازہ بند ہو جانے کا خطرہ ہے اگر شیخ کا وصال ہو گیا ہے تو اسی کا مزار بھی رب قدوس کی طرف توجہ کا وسیلہ بنتا ہے، سالک کے لئے بڑا ضروری ہے کہ اس مقام کو محفوظ رکھنے کیلئے شریعت مطہرہ کی اتباع اور اپنے شیخ کی محبت میں کمی نہ آنے دے۔

رہ ندانی جانب ایں سو و عشق
از ضیاء الحق حسام الدین پرس

فرماتے ہیں اگر تم شمس تبریزی کی صحبت ان کی مجلس ان کی محفل کا راستہ نہیں جانتے ہو تو ضیاء الحق حسام الدین سے پوچھو یہ ممدوح حضرت شمس تبریزی کے خاص صاحب اسرار و راز داں ہیں، فرماتے ہیں اگر شیخ کامل سے آشنائی حاصل کرنا چاہو تو ان کے قریبی راز داروں سے رابطہ کرو، شمس تبریزی کے قریبی راز داں تو خود مولانا ہی ہیں مگر محض کسر نفسی کیلئے اپنا ذکر نہیں کیا اور اپنے خلیفہ ضیاء الحق کا تقرب جتلا دیا، بتانا چاہتے ہیں اللہ رب العزۃ سے ربط بزرگوں کی صحبت اور لگاؤ سے ہی ممکن ہے۔ بارگاہ قدس تک حاضری کیلئے صوفیوں کے دو واسطے ہیں سلوک اور جذب۔ فرق یہ ہے سلوک میں واسطہ ہوتا ہے اور جذب میں فیض براہِ راست ملتا ہے، محبوب حقیقی سے ملنے کیلئے انسانی الائشوں کے وجود کے لباس کو ہٹانا ہوتا ہے۔

ور حسد گیرد ترا در راہ گلو
در حسد ابلیس را باشد غلو

پچھلے اشعار میں مولانا نے اپنے شیخ و مرشد کی عظمت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ اگر تو ان تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو اُن خدام سے رابطہ کرو وہ رابطہ ضیاء الحق حسام الدین ہیں اس پر کسی کو احساس ہو سکتا تھا کہ مولانا نے ضیاء الحق حسام الدین کو کیوں ترجیح دی ہے ہم ان کا توسل کیوں چاہیں؟، اس شعر میں اُن لوگوں کے غلط خیال کی تردید فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں اگر حسد تیرا گلا دبائے تو یاد رکھ حسد سب سے پہلے

ابلیس نے کیا تھا، اس کی اتباع سے بچ حسد سے توبہ کر حسد ایک نامراد مرض ہے، جو نیکیوں کو ایسے برباد کر دیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ختم کر دیتی ہے۔ حسد اور طمع ایسی بیماریاں ہیں جو نیکیوں کو برباد کر دیتی ہیں حسد اور طمع کرنے والا اچھائی سے ایسے ہی محروم ہوتا ہے جیسے یہ دونوں لفظ نقطہ سے محروم ہیں۔

کوز آدم ننگ دارد از حسد
با سعادت جنگ دارد از حسد

شیطان حسد کی وجہ سے آدم سے ناراض ہوا اور حسد کی وجہ سے ہی نیکی کی مخالفت کر رہا ہے۔ فرماتے ہیں شیطان نے آدم علیہ السلام کی قدر و منزلت پر حسد کیا اپنے کو بڑا سمجھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا اور آدم علیہ السلام مٹی سے۔ اب بھی وہ بنی آدم سے دشمنی رکھتا ہے یہ شیطانی عمل کسی درویش اہل اللہ و سالک کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسا کرے، ضروری ہے حق کی راہ تلاش کرنے میں حسد کینہ سے بری ہو۔

عقبہ زیں صعب تر در راہ نیست
اے خنک آں کش حسد ہمراہ نیست

فرماتے ہیں حسد سے زیادہ مشکل گھاٹی سلوک کی راہ میں کوئی نہیں وہ شخص خوش بخت خوش نصیب ہے جسے حسد کی بیماری نہ ہوا گرچہ سلوک کے راستہ میں اور بھی بے شمار مشکلات و مصائب ہیں اور اس وادی کو طے کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، سلوک کا یہ مرحلہ اُسی کے فضل و کرم سے ہی طے ہوتا ہے، مولانا کا نظریہ ہے کہ حسد سے زیادہ کوئی مشکل نہیں اس سے بچ کر چلو۔

این جسد خانہ حسد آمد بداں
کز حسد آلودہ گردد خانداں

حسد کی مذمت میں فرماتے ہیں ہر جسم حسد کا گھر ہے اور یہ بیماری ایسی خطرناک ہے جس سے سارے کا سارا گھر مبتلا ہو جاتا ہے۔ حسد انسان کے اندر کا مرض ہے، یہ مرض جب دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر سارے اعضاء دل و دماغ عقل و فکر اسکی گرفت میں آجاتے ہیں اور یہ ساری قوتیں حسد کے تابع ہو کر کام کرنے لگ جاتی ہیں جو پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ذہن میں رہے، فرماتے ہیں حسد سے بچو حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے۔

خانمانہا از حسد گردد در خراب
باز شاہی از حسد گردد غراب

فرماتے ہیں حسد سے گھر بار برباد ہو جاتے ہیں بادشاہ کا باز حسد کی نحوست سے کوّا بن جاتا ہے جب حسد پیدا ہو جاتا ہے تو انسان کا باطن برباد ہو جاتا ہے باطن کا حسن اخلاص اور اخلاق ہے اچھے کام ایک نجاست کھانے والے کوے کی مانند ہو گئے۔

گر جسد خانہ حسد باشد و لیک
آن جسد را پاک کرد اللہ نیک

جسم حسد کا گھر ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جسم کو شیخ کامل کی وساطت سے پاک کر دیا ہے۔

اس شعر میں حسد کا علاج فرما رہے ہیں اگر حسد والی مصیبت تیرے گلے پڑ گئی ہے تو اس سے نجات حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ کسی شیخ کامل کا دامن گیر ہو جا بچ جائے گا۔

یافت پاکی از جناب کبریا

جسم پر از کبر و پر حقد و ریا

اللہ کے فضل و کرم سے جسم نے پاکیزگی حاصل کر لی جو پہلے تکبر و غرور اکڑ بازی اور دشمنی سے پر تھا۔

اس شعر میں فرماتے ہیں مشکلات و مصائب گناہوں کی آلودگی برے اخلاق شیطانی عادات سے بچنے کا یہی طریقہ ہے اہل اللہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیا جائے اور ریاضت و مجاہدہ سے ان بیماریوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔

طہرا بیتی بیان پاکی ست

گنج نور ست از طلسمش خاکی ست

اس شعر میں حضرت مولانا اللہ رب العزۃ کے ایک حکم کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، جو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو دیا گیا تھا کہ تم دونوں میرے گھر کعبہ کو طواف کرنے والوں، رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک صاف کرو یہ مثال بیان کر کے فرماتے ہیں، مومن کا دل بھی اللہ کا گھر ہے اُسے روحانی بیماریوں سے پاک صاف کیا جائے تا کہ اس میں قدرت کے جلوے نمایاں ہوں، فرماتے ہیں یہ گھر جس کی پاکی کا حکم دیا جا رہا ہے، نور کا خزانہ ہے اگر چہ اس کا طلسم خاک سے بنایا گیا

ہے۔ تعمیر کعبہ کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ تیرے دل پر بھی قدرت کی طرف سے انوار و برکات نازل ہوتے ہیں تو بھی اپنے دل کو پاک صاف رکھ کہ رحمات و برکات کا نزول ہوتا ہے اس شعر میں مولانا نے اپنے دل کی صفائی پر استدلال کیا ہے اور اس پر آیہ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چوں کنی با بے حسد مکر و حسد
زاں حسد دل را سیا ہیہا رسد

سالک سے فرماتے ہیں اگر تو کسی بے حسد بزرگ سے حسد کرے گا، تو تیرا یہ عمل اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، البتہ تیرے دل پر ہی سیاہی چھا جائے گی، پچھلے کئی اشعار میں حسد کی مذمت اور برائی بیان فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے روحانی دولت کو برباد کرنے میں حسد کا بڑا حصہ ہے ان تمام اشعار میں حسد سے پرہیز کا درس ملتا ہے، اس بیماری کا ایک علاج یہ ہے اللہ رب العزۃ کی قدرت پر یقین کامل ہو کہ جس سے حسد کیا جا رہا ہے اُسے وہ کمالات رب العزۃ نے دیئے جنہیں حسد سے چھینا نہیں جا سکتا ہے۔

خاک شو مردان حق را زیر پا
خاک بر سر کن حسد را ہمچو ما

اس شعر میں اس بیماری کا علاج فرماتے ہیں اگر تجھے یہ بیماری لگ گئی ہے تو اس سے نجات کیلئے اہل اللہ کے قدموں کی خاک ہو جا اور ہماری طرح حسد پر مٹی ڈال دے۔

در بیان حسد کردن وزیر جھود

یہودی وزیر کے حسد کا بیان

(نوٹ) اس سے چند صفحات پہلے یہودی وزیر کے حسد کا ذکر ہوا ہے اب پھر اسی وزیر کے حسد کو بیان کر رہے ہیں۔

آں وزیرک از حسد بودش نژاد

تا بباطل گوش و بینی باد داد

وہ کمینہ وزیر حسد سے بنا تھا جبھی اس نے ناحق اپنے کان اور ناک برباد کر لئے۔

بر اُمید آنکہ از نیشِ حسد

زہر او در جان مسکیناں رسد

اس وزیر نے اس اُمید پر کان ناک کٹوا لئے کہ حسد کے ڈنگ سے اس کا زہر بے چارے عیسائی لوگوں کی جان میں سرایت کر جائے۔

ہر کسے کو از حسد بینی کند

خویش را بے گوش و بے بینی کند

جو شخص حسد میں آ کر حق و انصاف سے انکار کرے وہ اپنے آپ کو حق سننے والے کان اور حق محسوس کرنے والی ناک سے محروم کر لیتا ہے جیسے قرآن مقدس میں ارشاد ہے "ولھم اذان لا یسمعون بھا" ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں

یعنی حق بات نہیں سنتے یا سنتے تو ہیں مگر پرواہ نہیں کرتے ، اِدھراُدھر اُڑا دیتے ہیں۔

بنی آن باشد کہ او بوئے برد
بوئے او را جانب کوئے برد

حق کو محسوس کرنے والی ناک وہ ہوتی ہے جو حق کی بو حاصل کرے اور یہ بو اُسے کسی کوچہ کی طرف لی جائے۔

پہلے شعر میں تھا کہ احساس نہ کرنے والے لوگوں کے کیا ناک کان ہیں، جن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، فرماتے ہیں ہم تو اس ناک کو قائم سمجھتے ہیں جو حق کی بو محسوس کرے اور یہ احساس اس کیلئے اللہ تک پہنچنے کا سبب بنے۔

ہر کہ بویش نیست بے بنی بود
بوئے آں بوئیت کاں دینی بود

جس شخص کے پاس بوسونگھنے کی ہمت طاقت نہیں وہ بے ناک ہوتا ہے اس بو سے مراد دینی بُو ہے، جو شخص بوسونگھنے کا آلہ نہیں رکھتا وہ گویا بے ناک ہے۔

چونکہ بوئے برد و شکر آں نہ کرد
کفر نعمت آمد بینیش خورد

جب کسی اہل اللہ عارف باللہ کا علم ہو جائے پھر اس کی قدر نہ کرے تو وہ بندہ احسان خداوندی کو فراموش کرتا ہے جو اس کی قوت شناخت کو ختم کردے گا فرماتے ہیں جب کسی مرد خدا کا علم ہو جائے تو اس کی قدر کرنی چاہیئے جب اللہ کسی دولت سے

نوازے پھر وہ انکار کرے تو خدا کی نعمت کا منکر ہے اُسے ایسی ناشکری سے بچنا چاہئے۔ قرآن مقدس فرماتا ہے" واشکروالی ولا تکفرون " میرا شکر کرو اور کفر نہ کرو۔

یہی عنوان دوسری جگہ اس طرح ملتا ہے" وسنجزی الشاکرین "ہم شکر کرنے والوں کو اجر دیں گے ۔شکر کرنے پر نعمت کا اضافہ ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے" لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید "شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ نے مزید عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔شکر گزار بندے کی عظمت ایک حدیث شریف سے اس طرح ملتی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کھانے والا شکر گزار اس روزے دار کی طرح ہے جو صبر کرنے والا ہے۔اس ضمن میں حضرت عطاء علیہ الرحمہ سے ایک روایت اس طرح ملتی ہے، آپ سیدہ عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اماں جی! حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات فرمائیں، آپ رو پڑیں اور فرمایا بیٹے ان کا کون سا حال ہے جو عجیب نہیں تھا، فرماتی ہیں آپ ایک رات اُٹھے وضو کیا نماز میں کھڑے ہو گئے آپ اس قدر روئے کہ آنسو مبارک سینہ پاک پر گرتے رہے قیام رکوع سجدہ میں آہ وزاری رہی میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ تو نبی ہیں معصوم ہیں اس قدر کیوں روئے، فرمایا عائشہ کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

شکر کن مر شاکراں را بندہ باش
پیش ایشاں مردہ شو پائندہ باش

فرماتے ہیں اے سالک شکر کر اور شکر گزار اہل اللہ کا غلام بن جا اور ان کی خدمت میں کبر و غرور کو ختم کر کے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لے، اہل اللہ کے سامنے

اپنی خودی کو مٹا دینا ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے اگر کسی باکمال کے سامنے سرخم کرنا اس کی اطاعت کرنا خودی کو مٹانا نہیں تو روحانیت کی منزل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔

چوں وزیر از رہزنی مایہ مساز
خلق را تو برمیا در از نماز

وزیر کی طرح ڈاکو بننے کا انداز اختیار نہ کر اور مخلوق کو نماز سے نہ روک۔

فرماتے ہیں عارف کو پہچاننے اس کی خدمت بجالانے کی بجائے خود جھوٹے شیخ بن بیٹھنا اور وزیر کی طرح لوگوں کو راہ حق سے روکنے کیلئے ڈاکو نہ بن جانا۔

ناصح دیں گشتہ آں کافر وزیر
کردہ او از مکر در موزینہ سیر

وہ بے دین وزیر مذہبی راہنما بن گیا اور اس نے اپنے مکر وفریب سے حق و باطل کو خلط ملط کر دیا۔

ہر کہ صاحب ذوق بود از گفت او
لذتے میدید و تلخی جفت او

باذوق بندہ اس کی عیارانہ گفتگو سے عارضی طور پر لطف اُٹھاتا اور پھر آخر کار اس کی گمراہی بھی محسوس کر لیتا کہ مکر آخر مکر ہے فریب آخر فریب ہے جھوٹ چھپ نہیں سکتا، اس وزیر کو دنیا کے مکر وفریب نے رسوا کر دیا تھا۔ قرآن مقدس فرماتا ہے ''فلا تغرنکم الحیٰوۃ الدنیا'' تمہیں دنیا کی زندگی فریب میں نہ ڈال دے، یہ وزیر خدا

خوفی سے عاری ہو گیا تھا کاش اسے یہ پتہ ہوتا کہ تقویٰ اور یقین تو ساری زمین کے فریب زدوں سے بہتر ہے۔

نکتہ ہا میگفت او آمیختہ
در جلاب و قند زہرے ریختہ

اس مکار اور فریبی وزیر کی مکاری کو بیان کرتے ہیں کہ وہ ادھر اُدھر کی باتیں ملا ملا کر شربت و چینی میں زہر گھول گھول کر نکتے بیان کرتا تھا جو لوگوں کے دین و ایمان کی بربادی کا سبب بنتے تھے اور اس کی گندی گفتگو سے لوگوں پر روحانی موت طاری ہوتی تھی کہ لوگ اس مکارانہ گفتگو سے حق سے دور ہو جاتے تھے۔

ہاں مشو مغرور زان گفت نکو
زانکہ دارد صد بدی در زہر او

اس شعر میں مولانا سالک سے ہدایت فرماتے ہیں خبردار اگر تجھے بھی کسی ایسے مکار فریبی سے واسطہ پڑ جائے تو اس کی ظاہری پسندیدہ گفتگو سے دھوکا نہ کھا جانا اس کی گفتگو بے شمار خرابیاں رکھتی ہے، مکاروں سے ہوشیار رہنے کا درس دیا جا رہا ہے۔

او چو باشد زشت گفتش زشت داں
ہر چہ گوید مردہ آں را نیست جاں

جب وہ بندہ خود برا ہے تو اس کے اعمال بھی برے ہی ہوں گے وہ بندہ خود مردہ دل ہے جو کچھ کہے گا اس میں جان نہیں ہو گی کہ اس بندے نے حق و باطل کو ملا دیا

ہے جو سراسر گمراہی ہے ایسے لوگوں کے کام طمع اور لالچ کے تحت ہوتے ہیں ان کے دلوں میں خدا کا خوف نہیں ہوتا۔

گفت انساں پارۂ انساں بود
پارہ از ناں یقین کہ ناں بود

آدمی کی گفتگو سے اس کی کیفیات کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی گفتگو میں ہے کیا، کیا چاہتا ہے اور کرنا کیا چاہتا ہے روٹی کا ٹکڑا بھی تو آخر روٹی ہی ہے۔

زاں علی فرمود نقل جاہلاں
بر مزابل ہمچو سبزہ ست اے فلاں

اس شعر میں مولانا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ایک قول کا حوالہ دے کر صورت حال بیاں کرتے ہیں، آپ نے فرمایا جاہل کی نصیحتیں ایسے ہی ہیں جیسے گندگی کے ڈھیر پر سبزہ ہو۔اس حوالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جاہل کا ظاہری حال و مقال بھی بے معنی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں کہ جاہل کا باطن نور معرفت سے خالی ہے۔

بر چناں سبزہ ہر آنکو بر نشست
ہر نجاست بیش کے بنشستہ است

جو شخص ایسے سبزہ پر بیٹھا جو گندگی پر ہے تو وہ یقیناً گندگی پر ہی بیٹھا ہے، اس شعر میں مولانا جاہلوں مکاروں فریبیوں سے کنارہ کشی کا درس دے رہے ہیں کہ ان میں بیٹھ کر اپنی عاقبت کو خراب نہ کیا جائے۔

بایدش خود را بشستن از حدث

تا نماز فرض او نبود عبث

پچھلے شعر میں فرمایا تھا کہ اگر گندگی کے ڈھیر پر سبزہ دیکھے اور وہ سبزہ بھی نجس ہو تو ظاہر ہے اس کے کپڑے خراب ہوں گے جسم پلید ہو گا۔ اب فرماتے ہیں کہ سالک کو چاہئے نجاست سے بچے، جسم کو پاک صاف رکھے کہ نماز کی ادائیگی کرے تو نماز جائز درست ہو جیسے ظاہری جسم اور کپڑے کو نجاست سے بچانا ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ دل کو برے خیالات غلط نظریات سے محفوظ کرنا ضروری ہے کفر شرک اور نفاق سے پاک ہو، روحانیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچنے کیلئے قلب سلیم کا ہونا بڑا ہی ضروری ہے، قرآن مقدس فرماتا ہے قیامت کے دن جب کسی قسم کا مال اولاد کام نہیں آئیں گے اس دن قلب سلیم بچائے گا، تصوف کا پہلا قدم قلب کی مدد سے ہی اُٹھتا ہے، زندہ دل آدمی نئے زمانے اور نئے عہد پیدا کرتا ہے۔

ظاہرش میگفت در رہ چست شو

و از اثر میگفت جاں را مشت شو

اس شعر میں اُس حاسد اور مکار وزیر کا ذکر فرماتے ہیں اس وزیر کا ظاہر تو کہتا تھا کہ راہ معرفت میں چست ہو اور اثر کے لحاظ سے جان کو برباد کرتا تھا اسے نفاق کہتے ہیں اور یہ دل کو برباد کرنے والا مرض ہے یہ مرض ایمان اور یقین دونوں کو خراب کر دیتا ہے۔

آتش ارچہ سرخروئے ست از شرر
تو ز فعل او سیہ کاری نگر

فرماتے ہیں آگ اگرچہ سرخ ہے اس کے انگارے چمک رکھتے ہیں مگر اس کا کام نتیجہ کے طور پر سیاہ ہے کہ تمام اشیاء کو خاکستر بنا دیتی ہے، یہی حال منافق واعظ کا ہے اس کا لچھے دار انداز دل کو بھاتا ہے مگر اس مکار حاسد کے کلام کا اثر تباہ کن ہے۔

برق اگرچہ نور آید در نظر
لیک ہست از خاصیت دزد بصر

دوسری مثال فرماتے ہیں بجلی اگرچہ نور دکھائی دیتی ہے مگر اپنی خاصیت کے لحاظ سے بینائی کو خراب کر دیتی ہے، یہی حال حاسد مکار کا ہے بظاہر گفتگو سے اچھا معلوم ہوتا ہے مگر آخر کار بربادی کا سبب بنتا ہے۔

ہر کہ جز آگاہ و صاحب ذوق بود
گفت او در گردن او طوق بود

پچھلے اشعار میں اس مکار وزیر کے ظاہر و باطن کا کہا گیا اس شعر میں پھر پہلے واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں پہلے تو وزیر سے متنفر اہل علم عیسائی ہوئے تھے کہ انہوں نے اس کے مکر و فریب کو محسوس کر لیا اب عوام کی حالت بیان کرتے ہیں کہ عوام اس کے مکر و فریب میں گرفتار ہو گئے اس کی باتیں عام لوگوں کیلئے مصیبت بن گئیں۔

مدت شش سال در ہجران شاہ
شد وزیر اتباع عیسیٰ را پناہ

چھ سال تک وزیر بادشاہ سے الگ رہ کر مسیحیوں کیلئے دینی دنیوی پناہ بنا رہا۔

دین و دل را کل بدد بسپرد خلق
پیش امر و نہی اوو مے مرد خلق

اس مکار وزیر کا یہ عالم رہا کہ عوام نے اپنا ایمان سب کچھ اس کے سپرد کر دیا اور اس کے ہر حکم پر جان دیتے رہے، بادشاہ اور وزیر کے درمیان خط و کتابت نامہ پیغام کا سلسلہ جاری تھا، وزیر کے پیغامات سے بادشاہ کو تسلیاں ملتی رہیں آخر کار بادشاہ نے وزیر کو پیغام دیا کہ عیسائیوں کے مشن کو جلد برباد کر، میں پریشان ہوں مجھے اس غم سے جلد نجات دے۔

گفت اینک اندر آں کارم شہا
افگنم در دین عیسیٰ فتنہا

مکار وزیر نے بادشاہ کو جواب میں لکھا جناب میں ابھی کام میں مصروف ہوں کہ عیسیٰ کے دین میں فتنے برپا کروں میں جب فتنے پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو دین عیسیٰ کی بربادی بھی یقینی ہو جائے گی۔

قوم عیسیٰ را بد اندر دارد گیر
حاکماں شاں دہ امیر و دو امیر

فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے نظم وضبط قائم رکھنے کیلئے بارہ حاکم مقرر تھے اور قوم کے بارہ گروہ تھے۔ ایک گروہ پر ایک حاکم مقرر تھا یہ بارہ کے بارہ امیر اور سارے کے سارے بارہ گروہ اس مکار و حاسد وزیر کے تابع فرمان ہو گئے اور سبھی کے سبھی اس کا حکم ماننے لگے۔

چوں زبوں کرد آں جھودک جملہ را
فتنہ انگیخت از مکرو رہا

جب اس کمینے یہودی مکار وزیر نے سب کو تابع فرمان بنا لیا تو فریب اور چالاکی سے ایک فتنہ برپا کر دیا، اس مکار یہودی نے ہر گروہ کے سردار کو الگ الگ احکام جاری کیئے، سارے احکام ایک دوسرے کے خلاف تھے، وزیر کا مقصد تھا کہ لوگوں میں فتنہ وفساد اُبھر جائے اس نے اس فاسد ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مذہبی میدان کا انتخاب کیا۔ فتنہ وفساد کا یہ طریقہ آج بھی رائج ہے جب کوئی حکمران اپنی رعایا پر غلبہ چاہتا ہے اور قوم کو اپنی قید میں رکھنا چاہتا ہے تو مذہبی معاملات میں اختلاف ڈلوا دیتا ہے کہ اس کا نظام حکومت چلتا رہے اس یہودی وزیر نے عیسائیوں کے بارہ جماعتوں میں ڈال کر فتنہ برپا کر دیا۔ یہود کا انداز دشمنی صرف نصاریٰ سے ہی نہیں یہ لوگ اسلام اور بانی اسلام کے بھی شدید دشمن ہیں۔

مدینہ منورہ میں جو معاہدہ امن کیا گیا اُسے یہود نے ہی توڑا تھا، اسلام دشمنی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جنگ بدر میں یہود نے شدید سازش کی اور مشرکین کا بھرپور ساتھ دیا، جنگ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کیلئے یہود نے ہی جنگ اُحد کیلئے حالات

پیدا کیئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی یہود کے ہاتھوں ہوئی، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں یہود کی سازش شامل تھی، عبداللہ بن سبا کے نام سے اسلامی لباس میں کام کرنے والے شخص نے ہجرت کی پہلی صدی میں اسلام میں سخت تفرقہ پیدا کیا، اس نے سینکڑوں موضوع احادیث کا دفتر تیار کیا اور مسلمانوں میں فتنہ ڈالا اور اپنا معتقد بنایا اور دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں مخالفت دشمنی کا بیج بویا یہ اثنا عشری گروہ ہے جو اس سے متأثر ہوا۔

حضور ﷺ کو کھانے میں زہر ملا کر دینے والی خاتون یہودی ہی تھی، یہ اللہ کا کرم تھا کہ کھانے نے بول کر کہا حضور! مجھ میں زہر ہے تناول نہ فرمائیں۔ صلیبی جنگوں کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کیلئے عیسائیت کسی محسن کی تلاش میں تھی جو اُسے یہودیت کے رنگ میں مل گیا۔ کمیونزم اور سوشلزم کی تحریکیں جو یہود نے ترتیب دیں یہ اسلام دشمنی ہی تھی، جرمن یہودی کارل مارکس اس دشمنی میں پیش پیش تھا۔ کارل مارکس کی تقاریر اور نصیحتیں اکثر ان نظریات کی ترجمان تھیں۔ وہ کہتا تھا سرمایہ دارانہ نظام سے جان بچانے کیلئے تین باتوں پر عمل ضروری ہے

۱۔ خدا کو چھوڑ دیا جائے

۲۔ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا تصور ختم ہو

۳۔ دین کو بے معنی سمجھا جائے

۴۔ مذہب کو افیون قرار دیا جائے۔

یہود کی اسلام دشمنی کا ایک واضح پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے عرب کے وسیع ترین خطہ کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہونے کے حالات پیدا کر دیئے اور اس

دشمنی میں وہ کامیاب رہے، پاکستان کی اتحادی قوت کو پارہ پارہ کرنے کیلئے یہود نے اسے دوحصوں میں تقسیم کرادیا۔ مسلمانوں کی ایک تنظیم اخوان المسلمون کوایک گھناؤنی سازش کے تحت مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان کو پابند سلاسل کیا، پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں کو جیلوں میں ڈلوایا اور سرکردہ لوگوں کو تختہ دار پر لٹکا کر عالم عرب کی سیاسی قوت کو کچل کر صیہونیت کی راہ ہموار کردی گئی۔ یہودیوں نے فری میسن تنظیم کوفروغ دے کر مسلمانوں کواسلام سے دور کرنے کی کوشش کی، اس تنظیم کے ذریعہ سے بڑے بڑے لوگوں کوخرید کر اسلام سے دور کیا شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی سرفہرست ہیں۔ یہ اس تنظیم کے ۲۲ ویں گریڈ کے رکن تھے، پاکستان کے اندر یہودیت کوفروغ دینے کیلئے اس تنظیم کو عام کیا گیا۔

ہندوستان میں خلاف اسلام سازشوں میں یہودیت نے کھل کر کام کیا ہے، مہاشہ راجپال جسے علم الدین شہید نے قتل کیا، یہ یہودیوں کا آلہ کار تھا، نتھورام جسے محمد صدیق شہید نے قتل کیا یہ بھی یہود کا آلہ کار تھا ۱۹۳۵ء میں مدراس چھاؤنی کے ایک بدبخت چرن داس جسے غازی محمد شہید نے قتل کیا یہ بھی یہود کا آلہ کار تھا۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے اس شعر میں حاسد مکار یہودی کا ذکر کر کے ملت اسلامیہ کو یہود و نصاریٰ سے محتاط رہنے کا درس دیا ہے، ۲۰۱۵ء میں فرانس کے اندر لاکھوں کی تعداد میں گستاخانہ خاکے چھاپ کر اسلام اور بانی اسلام کی توہین کی گئی یہ یہود کی ہی سازش تھی، پھر اس سازش کی حمایت میں یورپین دشمنوں کا دس لاکھ افراد پر مشتمل جلوس نکالنا یہودی سازش تھی جس میں عیسائی بھی شریک ہو گئے حالانکہ عیسائی یہودیوں کو اپنا دشمن جانتے ہیں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو سولی

چڑھانے والا بادشاہ یہودی تھا مگر عیسائی کئی جنگوں میں مسلمانوں سے شکست کھا چکے تھے غالباً یہ اتفاق اس لئے کیا کہ اکٹھے اسلام دشمنی میں کام کریں۔

حاسداور مکاروزیر کے کسی حکم میں ریاضت وعبادات کا کوئی طریقہ تھا کسی میں کوئی۔ کسی حکم میں ریاضت اور روزے کے طریقے کوتوبہ کا رکن کہا کسی حکم میں کہا ریاضت مفید نہیں، راہ حق پانے کیلئے صرف خیرات وصدقات ہی کافی ہیں۔

در یکے راہ ریاضت را وجوع

رکن توبہ کردہ و شرط رجوع

اس مکار وزیر کے مختلف حکموں کو بیان کیا جا رہا ہے کسی حکم میں تھا کہ ریاضت کے طریقے اور روزہ کوتوبہ کا رکن اور اللہ کی طرف مائل ہونا شرط قرار دیا۔ مولانا نے اس کے اس حکم سے اس لئے اختلاف کیا ہے، عبادات وریاضات اصلاح نفس کا اچھا ذریعہ ضرور ہیں مگر ایسا انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے رب قدوس کے انعامات کی بے قدری ہو۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور مسلسل روزہ رکھنا کیسا ہے تو فرمایا'' لاصام ولا افطر '' حضور ﷺ نے اپنا عمل مقدس فرمایا میں روزہ رکھتا ہوں چھوڑتا بھی ہوں۔ مسلسل بلا افطار روزہ رکھنے میں سنت مصطفےٰ کا عمل ترک ہوتا ہے حضور ﷺ نے روزہ وصال مسلسل روزہ رکھنے سے منع فرمایا، ایک شخص نے عرض کی حضور آپ تو روزہ ہمیشہ رکھتے ہیں تو فرمایا'' ایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی و یسقینی او کما قال ﷺ ''(مشکوٰۃ شریف)

تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ

مجھے کھلاتا ہے، حضور ﷺ نے ایک روزے کو دوسرے روزے کے ساتھ بلا انکار ملانے سے منع فرمایا ہے اسی کے متعلق فرمایا جس نے ایسا کیا کہ مسلسل بلا افطار روزہ رکھا نہ اس کا روزہ ہے نہ افطار ہے۔

در یکے گفتہ ریاضت سود نیست
اندریں رہ مخلصی جز جود نیست

مکار وزیر نے اپنے ایک اور حکم میں یہ کہا کہ ریاضت سے کچھ فائدہ نہیں، حق کی راہ میں تو صرف صدقات و خیرات سے نجات ملتی ہے، اس کا یہ حکم بھی قطعی غلط بے معنی تھا کہ ریاضت کو بے فائدہ قرار دیا حالانکہ ریاضت اصلاح نفس کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔اس کا خیرات کرنے کے عمل کو ہی مرکز قرار دینا صحیح نہیں کہ جود و کرم میں بھی درجہ اعتدال ہی مفید ہے کہ رب قدوس فضول خرچی کو پسند نہیں فرماتا اور فضول خرچوں کو شیطان کے بھائی قرار دیتا ہے۔ وزیر کا یہ حکم پہلے کے قطعی برخلاف ہے یہاں ریاضت کو بے سود قرار دیا اور خرچ کرنے کو نجات کہا وہ خرچ جہاں بھی ہو حالانکہ ہر نیک و بد کے ساتھ حسن سلوک عموماً اچھا نہیں۔شیخ سعدی فرماتے ہیں

نکوئی بابداں کردن چناں است　　　که بد کردن بجائے نیک مرداں

شیخ سعدی فرماتے ہیں بروں کے ساتھ اچھا سلوک ایسے ہی ہے جیسے نیکوں کے ساتھ برا کرنا ہے، وزیر کے خرچ کرنے پر تنقید کی جارہی ہے۔

جز توکل جز کہ تسلیم تمام
در غم و راحت ہمہ مکرست و دام

توکل کے بغیر اور غم و راحت میں کمال تسلیم کے بغیر تمام ریاضات و خیرات بے معنی ہیں اور مکر و فریب ہے ۔اس مکار وزیر کا ایک حکم یہ تھا کہ توکل کے بغیر ریاضات و خیرات کا کچھ فائدہ نہیں یہ حکم بھی محض دھوکہ تھا یہ درست ہے اللہ پر توکل بھروسہ اسباب پر نگاہ رکھنے کے بجائے مسبب الاسباب ذات قدس جل مجدہٗ پر بھروسہ بہت بڑی شی ہے مگر اس عظیم مقام پر توکل علی اللہ پر پہنچنے کیلئے یہ کہاں ضروری ہے کہ اس کے بغیر ریاضات و عبادات کا کوئی معنی نہیں ، یہ فیصلہ اس کی مکاری تھی جہالت تھی حقیقت یہ ہے کہ توکل اور طاعات دونوں ضروری ہیں، بندہ کی طرف سے ضروری ہے کہ کوشش کرے اور اس کی کامیابی کیلئے اللہ پر توکل و بھروسہ ہو۔ ’’السعی منی والاتمام من اللہ ‘‘ کا اصول ہمیشہ پیش نظر رہے،کوشش میری طرف سے ہے اور اس کا انجام اللہ کی طرف سے،کوشش کے بغیر توکل کا کوئی معنی نہیں اور توکل کے بغیر کوشش بے برکت ہے ، اسباب دنیوی سے تعلق ختم کر دینا توکل نہیں توکل تو اسباب کے ساتھ ہوتا ہے۔حضور سید عالم ﷺ سے ایک اعرابی نے سوال کیا حضور! اونٹ کو کھلا چھوڑ کر یا اس کا پاؤں باندھ کر توکل کروں، آپ ﷺ نے فرمایا پہلے اونٹ کا پاؤں باندھ پھر اللہ پر توکل کر، حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم نے توکل کی حقیقت کو پالیا ہوتا تو اللہ تمہیں پرندوں کی طرح روزی دیتا جو صبح بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آ جاتے ہیں، انسان کو چاہئے جب رزق کے حصول کے اسباب مہیا کرے تو اسباب کی بجائے رب قدوس کو اپنا نصب العین بنالے جو اصل میں روزی مہیا کرتا ہے۔

در یکے گفتہ کہ واجب خدمت است
ورنہ اندیشہ توکل تہمت ست

ایک دفتر میں یہ کہا کہ خدمت اور اطاعت واجب ہے ورنہ توکل کا خیال پیغمبر پر الزام کے مترادف ہوگا، اس سے پہلے ایک حکم میں یہ تھا کہ توکل کیلئے عبادت کی کیا ضرورت ہے اس شعر میں ہے کہ توکل کے ساتھ عبادت بھی ضروری ہے، اگر عبادت کے بغیر اکیلا توکل کافی ہوتا تو گویا خدا پناہ شریعت میں عبادات وطاعت کے احکام سب فضول تھے اور یہ خیال یہ تصور حضور ﷺ پر تہمت لگانے کی طرح ہے (معاذاللہ)

در یکے گفتہ کہ امر و نہی ہاست
بہر کردن نیست شرح عجز ماست

اس مکار وزیر کا ایک حکم یہ تھا کہ شریعت میں جو امر و نہی ہیں یہ عمل کرنے کیلئے نہیں بلکہ وہ صرف ہمارے عاجز ہونے کی دلیل ہیں۔

امر و نہی کا فلسفہ یہ بیان کیا کہ انسان اپنے عجز کو معلوم کرے اور خدا کو جان لے، مکار وزیر کا یہ حکم تھا کہ خدا کی طرف سے جو امر و نہی ہیں ان پر عمل نہیں ہونا چاہیئے یہ اصول عمل کرنے کیلئے بنائے ہی نہیں گئے بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ جب بندہ ان پر عمل کرنا مشکل سمجھے گا تو اُسے اپنا عجز معلوم ہو جائے گا۔ اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ کسی حد تک تو مجبور ہے مگر مطلقاً مکمل طور پر مجبور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محنت کا اختیار دیا ہے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اختیار دے دیتا ہے۔ مکار وزیر نے اپنے حکم میں انساں کو محض مجبور بتایا ہے یہ قطعی غلط ہے یہ عقیدہ جبریہ کا

ہے کہ انسان محض مجبور ہے۔

در یکے گفتار کہ عجز خود مبیں
کفر نعمت کردن ست آن عجز بیں

ایک حکم یہ دیا کہ اپنے کو عاجز مت سمجھ بلکہ کام کرتا رہ عجز کا عقیدہ احسان فراموشی ہے، وزیر کا یہ حکم بھی اسلامی روح کے خلاف تھا کہ اسلام عجز وانکساری، آہ و زاری کو ایک مقام دیتا ہے وزیر کا یہ فیصلہ حضور ﷺ کے اس حکم کے خلاف ہے" کن فی الدنیا کانک غریب اور کعابری سبیل اور کما قال ﷺ "دنیا میں ایسے زندگی بسر کر جیسے تو غریب ہے یا مسافر ہے، غریب اور مسافروں میں عجز وانکساری کا پہلو نمایاں ہے، وزیر کے حکم کا مفہوم یہ تھا کہ اپنے کو قادر سمجھ عاجز نہ سمجھ کہ قدرت رکھتے ہوئے اپنے کو عاجز سمجھنا خدا کی قدرت کا انکار ہے اور اس کی نعمت کا کفران ہے۔

در یکے گفتہ کزیں دو در گزر
بت بود ہرچہ بگنجد در نظر

ایک حکم اسی طرح جاری کیا کہ عجز اور قدرت دونوں کو چھوڑ ان دونوں میں سے جو تیرے دل میں سمائے گا وہ بت ہے، وزیر کے اس حکم میں پہلے دونوں مضامین کی تردید ہے نہ عجز اچھا ہے نہ قدرت اچھی ہے پہلے دونوں حکموں میں دو مختلف نظریات کا ذکر تھا دونوں نظریات سے مراد جبریوں اور قدریوں کا تصور ملتا تھا اس حکم میں جبر وقدر دونوں کی مخالفت ہے کہ یہ دونوں نظریئے بمنزلہ بت ہیں جو بندے کی توجہ کو اللہ سے ہٹا دیتے ہیں اسلام نے اس پیچیدہ مسئلہ کو آسان لفظوں میں حل کر دیا

ہے کہ انسان بعض معاملات میں مجبور ہے بعض میں اللہ کی دی ہوئی طاقت سے قادر ہے۔

از هوائے خویش در هر ملتے

گشته هر قومے اسیر ذلتے

پہلے کہا تھا کہ عجز اور قدرت دونوں کو چھوڑ دے، اب ذکر ہے کہ جبر وقدر دونوں قابل توجہ نہیں ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ وہاں ان کے ترک کرنے کی ترغیب تھی اب یہ کہ ان کے ترک کرنے کا بھی اہتمام نہ کرو کہ وہ خود بخود ختم ہو جائیں گے کہ کسی شے کا ترک کرنا بھی خواہش نفس کی اتباع ہے اور جو لوگ اپنی خواہش کے تابع ہوتے ہیں وہ ذلت وخواری میں گرفتار ہو جاتے ہیں اسی مکار وزیر نے کسی حکم میں کہا کہ غور و فکر کی شمع کو گل نہ کر کسی حکم میں کہا کہ اس شمع کو بجھا دے کوئی حرج نہیں کسی حکم میں کہا کہ شمع عقل کے بجھانے سے روح ترقی کرے گی اور تیرا محبوب حقیقی تیری ثابت قدمی دیکھ کر مجنوں کی طرح تیرا مشتاق ہو جائے گا کسی حکم میں کہا جس شخص نے زہد سے دنیا چھوڑ دی دنیا خود اس کے آگے حاضر ہو گی اور پہلے سے زیادہ ہو گی کسی حکم میں کہا جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اور تیرے لئے خوشگوار بنایا ہے اور پسندیدہ ٹھہرا دیا اس کو حاصل کر۔ کسی حکم میں کہا اپنی حاصل کردہ چیزوں کو چھوڑ دے کہ تیری دل پسند چیز ناقابل منظوری ہے اور بری ہے۔

خلاصہ

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے مکار اور فریبی وزیر کے گیارہ بارہ مختلف متضاد احکام بیان کر کے اس کی مکاری اور دھوکہ بازی کا ذکر کیا ہے، اس کی مکاریوں اور چالبازیوں کا ذکر فرما کر مثنوی کے قاری کو توجہ دلا رہے ہیں کہ تو بھی اپنے نفس کی مکاریوں سے محتاط رہ، تیرا نفس بھی تجھے ایسے ہی دھوکہ دے سکتا ہے جیسے مکار وزیر نے قومِ عیسیٰ کو دھوکا میں مبتلا کیا اور سیدھی راہ سے دور کیا، وزیر نے کسی حکم میں کچھ کسی میں کچھ کہہ کر لوگوں کو دھوکا دیا ایسے ہی نفس بھی غلط تاویلات کر کے گمراہ کر سکتا ہے۔ مکار وزیر کے احکام میں ثابت قدمی نہ تھی کہ کسی ایک حکم پر قائم رہتا، ایسے ہی نفس بھی صحیح راہ سے دور کرنے کیلئے کئی تاویلات کر کے گمراہ کر دیتا ہے اور استقامت سے محروم کر دیتا ہے اور قرآن مقدس کی اس نعمت سے دور کر دیتا ہے جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر پکے رہ گئے تو ہم ان پر رحمت کے فرشتے بھیجتے ہیں جو اُنہیں تسلی دیتے ہیں کہ کسی قسم کا خوف نہ کر غم نہ کر اور جنت کی بشارت دیتے ہیں۔

نفس امارہ کے شیطانی خیالات کو دور کرنے کیلئے اور باغی نفس کے قہر سے بچنے کیلئے چوکنا رہنا بڑا ضروری ہے، وزیر کی شر انگیزیوں سے سبق سکھایا جا رہا ہے۔ حضرت ابوالحسن رازی علیہ الرحمہ نے اپنی خواب میں ایک بزرگ کو جہنم میں دیکھا اور پوچھا حضرت صاحب آپ جہنم میں کیسے تو انہوں نے جواب دیا میرے نفس نے مجھے دھوکہ دیا اور جہنم پہنچایا۔ جناب حاتم اصم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نفس میرا اصطبل ہے علم میرا ہتھیار ہے نا اُمیدی میرا گناہ ہے، شیطان میرا دشمن ہے اور میں اپنے نفس کو

فریب میں مبتلا رکھتا ہوں۔

حضورﷺ فرماتے ہیں'' افضل الجہاد جہاد بالنفس ''سب سے افضل جہاد نفس کے ساتھ جہاد ہے، صحابہ کرام جب جنگ سے لوٹتے تو فرماتے ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے مکار وزیر کی داستان کو لمبا کر کے نفس کے دھوکوں سے بچنے کا درس دیا ہے اور بھی کئی باتیں ہوں گی مگر مجھے جو کچھ پتہ چلا اشارہ کر دیا ہے۔

وحدت اندر وحدت ست ایں مثنوی
از سمک رو تا سماک اے معنوی

مکار وزیر کے مختلف احکام کو تفصیل سے بیان فرما کر فرماتے ہیں یہ مثنوی اسرار وحدت سے بھرپور ہے، اے طالب اے مثنوی کے شائق اس مثنوی کے ذریعہ سے زیر زمین سے بالائے فلک تک کی سیر کر لے۔ اوپر کے شعر میں وزیر کے مختلف احکام کا ذکر ہوا اس ضمن میں امتیاز اور اتحاد کا ذکر آ گیا اس مناسبت کی وجہ سے مولانا کا ذہن فوراً توحید کی طرف منتقل ہو گیا چونکہ حضرت مولانا کا ذہن نظریہ وحدت الوجود پر بڑا واضح ہے اس شعر میں بھی اپنے اُسی عقیدہ کو بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ مثنوی اسرار وحدت سے بھرپور ہے اگر انہیں اسرار کو پا لے تو عالم بالا کی سیر ہو سکتی ہے۔

مولانا رومی کے نزدیک وحدۃ الوجود کا نظریہ عظیم ترین روحانی مقام ہے اور تصوف کے سارے مدارج و مقامات پر محیط ہے۔ اولیاء کرام کے تمام روحانی تصرفات ذکر الٰہی سے ہوتے ہیں اور اس نظریہ وحدۃ الوجود میں یاد الٰہی کو زبردست

غلبہ ہے یہی مفہوم حدیث شریف سے اس طرح ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''من احب شیاء اکثر ذکرہ '' جس کو کسی سے محبت ہو تو وہ اکثر ہی اس کا ذکر کرتا ہے اور اس نظریہ میں ذکر الٰہی کو غلبہ ہے اور ذکر کی کثرت فکر کو حرکت میں لاتی ہے۔ حضرت مولانا ذات خدا میں گم ہو جانے کیلئے اس نظریہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں جو شخص ذات رب قدوس میں فنا ہو کر بقا باللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو وہ کل شی ھالك کے حکم سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔ خدا کی ذات میں جو فنا ہو جائے وہ ہلاکت میں نہیں رہے گا۔

او زیکر نگی عیسیٰ بوند اشت
وز مزاج خم عیسیٰ خونداشت

اوپر کے شعر وحدت اندر وحدت کے ذکر کے بعد پھر مولانا اُسی مکار وزیر کا ذکر فرماتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو نہ سمجھ سکا تھا بلکہ صرف یہودی بادشاہ کو خوش رکھنے کیلئے قوم عیسیٰ میں افراتفری پیدا کر رہا تھا، فرماتے ہیں اس وزیر کو عیسیٰ علیہ السلام کی یکرنگی کی خبر نہ تھی اور نہ ہی خم عیسیٰ سے متعارف تھا۔

مولانا فرماتے ہیں اس مکار وزیر کو عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات کی خبر ہی نہ تھی، عیسیٰ علیہ السلام رنگ سازی کا کام کرتے تھے مگر اس کاروبار میں شان پیغمبری مکمل طور پر جلوہ گر تھی، کپڑے رنگنے کیلئے صرف ایک مٹکا موجود تھا گاہک کپڑے کا جو رنگ چاہتا آپ اُسی مٹکے میں ڈبو دیتے اور وہ گاہک کی مرضی کے مطابق اسی رنگ میں رنگا جاتا۔ ایک موقعہ آپ کسی انگریز کی دکان پر بیٹھے تھے اتنے میں آپ نے تمام گاہکوں کے کپڑے اٹھا کر ایک مٹکے میں ڈال دیئے، انگریز گبھرایا، تو آپ نے اُسے

تسلی دی اور فرمایا جو کپڑا جس رنگ کا چاہئے رنگ کا نام لے کر نکالتے جاؤ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر وہ انگریز ایمان لے آیا۔ مولانا فرماتے ہیں وزیر محض موسیٰ علیہ السلام کا متبع ہونے کے باعث عیسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہو رہا تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف نہیں بلکہ ان کے ہم رنگ ہیں نہ صرف خود ہم رنگ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اسی ایک رنگ میں رنگ دیتے ہیں مگر وہ اس اتحاد رنگ سے خوگر نہ تھا۔

گرچہ در خشکی ہزاراں رنگہاست
ماہیاں را بایبوست جنگہاست

فرماتے ہیں خشکی کے اندر ہزاروں رنگ ہیں کہیں مٹی ہے کہیں ریت ہے کہیں میدان ہیں کہیں پہاڑ ہیں مگر مچھلیوں کو خشکی کے ساتھ دشمنی ہے ان کو پانی پسند ہے اُسی میں رہنا زندگی ہے مچھلی پانی کی عاشق ہے اور عاشق اپنے عشق سے کبھی سیر نہیں ہوتا، یہ مثال عشاق پر چسپاں ہوتی ہے جس طرح مچھلی پانی سے سیر نہیں ہوتی اسی طرح عاشقان الٰہی عشق سے بس نہیں کرتے۔

کیست ماہی ؟ چیست دریا ؟ در مثل
تابداں ماند خدا عزّ و جل

صوفیاء کرام کبھی ذات قدوس جل مجدہٗ کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں کبھی سمندر سے۔ صوفیاء کے اس نظریہ پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے کہ اس قسم کی تشبیہات اسلامی نظریات کے خلاف ہے حضرت مولانا نے اس شعر میں اس حقیقت کو واضح کیا

ہے کہ مچھلی کیا چیز ہے اور دریا کی شئ ہے جس کے ساتھ وحدت کی مثال میں رب قدوس جل مجدہٗ کو مشابہت ہو اس اشکال کا واضح جواب یہ ہے کہ تمثیل کیلئے صرف مناسبت کافی ہے اور تمثیل کا جواب قرآن مقدس سے ثابت ہے "وللّٰہ المثل الاعلیٰ " اور اللہ کی بہت بڑی مثال ہے دوسری جگہ اس طرح ارشاد ملتا ہے "مثل نورہ کمشکوٰۃ "اس کے نور کی مثال چراغ دان کی سی ہے جس میں چراغ ہے۔

صد ہزاراں بحر و ماہی در وجود
سجدہ آرد پیش آں دریائے جود

فرماتے ہیں موجودات میں سے لاکھوں دریا اور مچھلیاں اس دریائے کرم کے آگے سربسجود ہیں ۔ رب قدوس جل مجدہٗ کیلئے دریا میں تمثیل کیا حقیقت رکھتی ہے وہ خالق اور یہ مخلوق ذیل میں چند مثالیں بیان فرماتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ تمام مخلوق خالق کی محتاج ہے اور مخلوق کی ہر ایک خوبی خالق کی خوبیوں کا پرتو ہے کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

نور خود را جلوہ کردہ در لباس ایں و آں
در جہاں آوازۂ کون و مکاں انداختہ

پس ذات قدوس جل مجدہٗ نے ایں و آں کے لباس میں جلوہ فرمایا ہے اور جہان میں کون و مکاں کا اعلان ہے۔

چند باران عطا باراں بدہ
تا بداں آں بحر در افشاں شدہ

اس شعر میں مثال فرماتے ہیں کہ رب قدوس کی بخشش کے کوئی مینہ دریا پر برسے یہاں تک کہ ان بارشوں سے وہ دریا موتی بکھیرنے لگا۔

فرماتے ہیں دریا کو جب موتی دینے کی صفت حاصل ہوئی کہ اس پر عطاء الٰہی کی بارش ہوئی تو دریا کی صفت عطا اللہ تعالیٰ کی صفت عطا کا مظہر بن گئی۔

چند خورشید کرم افروختہ
تا کہ ابرو بحر جود آموختہ

فرماتے ہیں اللہ کی بخشش کے کئی آفتاب چمکے تب بادل اور دریا نے فیض رسائی سیکھی۔ سورج کی گرمی سے پانی بخارات بن کر اوپر جاتا ہے پھر وہ بخارات بادل کی شکل اختیار کر جاتے ہیں اور پھر بادل برستے ہیں اور بارشوں سے دریا بنتے ہیں، بادلوں اور دریاؤں سے زمین کو فیض پہنچتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سارا سلسلہ سورج کی گرمی کے سبب سے ہوا، حقیقت یہ ہے کہ رب قدوس جل مجدہٗ کے آفتاب کرم کی گرمی کا فیض ہے اسی وجہ سے آسمانی آفتاب نے اپنا عمل کیا اور اسی سے بادل نے جود اور دریا نے فیض سیکھا۔

خاک امین و ہرچہ دروے کاشتی
بے خیانت جنس آں برداشتی

زمین اس قدر امانت دار ہے کہ جو کچھ اس میں بویا جائے وہی اُگتا ہے کسی قسم کا فرق نہیں مولانا اس شعر میں توجہ دلا رہے ہیں کہ تو ہی امین ہے امانت کو امانت والے کے سپرد کرنے کا طریقہ زمین کے عمل سے سمجھ۔ رب قدوس فرماتا ہے ''ان اللہ

یـأمـر کـمـ ان تـؤدو الامـانات الی اھلھا ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کے سپرد کرو۔

ایں امانت زاں عنایت یافتہ است
کافتاب عدل بروے تافتہ ست

فرماتے ہیں زمین نے یہ امانت داری کی صفت اس عنائیت کی بدولت حاصل کی ہے کہ اس پر عدل کے آفتاب نے طلوع کیا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات سے ایک صفت عدل ہی ہے جس کیلئے امانت لازم ہے اس لئے کہ عادل کیلئے ضروری ہے کہ وہ حقدار کو اس کا حق پہنچائے اور یہی امانت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے آفتاب عدل نے زمین پر اپنا پرتو ڈالا تو وہ امانت کی صفت سے موصوف ہوگئی۔

تا نشان حق نیابد نو بہار
خاک سرّ ہارا نسازد آشکار

پچھلے شعر میں ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ کے آفتاب عدل نے زمین پر اپنا پرتو ڈالا تو وہ امانت کی صفت سے موصوف ہوگئی۔

اس شعر میں بھی اسی عنوان کو دہرایا جا رہا ہے کہ جب تک فصل بہار خدا کا حکم نہیں پاتی اس وقت تک زمین اپنی مخفی اشیاء کو باہر نہیں نکالتی۔ گویا موسم اپنے عہد کا حاکم ہوتا ہے جو خاص قسم کے درختوں پودوں پر تصرف کرتا ہے اس کے تصرف کے ماتحت ہی درخت پوری زمین سے باہر سر نکالتے ہیں۔ مولانا فرما رہے ہیں کہ تمام قسم کے درخت سبزہ زار چمنستان کی تمام رونق خدائے قدوس کے حکم سے ہی ہے یہ اس کی

قدرت ہے کہ مٹی سے مختلف قسم کے بیل بوٹے اُگا ئے انہیں عمدہ لباس پہنایا، پھولوں سے گلستان چمکایا، طرح طرح کے میوے پھل پیدا کئے جو مختلف ذائقوں سے مالا مال ہیں اور انسانوں کیلئے حسن و جمال ہیں۔

آں جوادیکہ جمادے بداد
ایں خبرہا دیں امانت دیں سداد

رب قدوس کی عظمت کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ بہت بڑا کریم ہے جس نے زمین کو یہ پھل اگانے کا حکم دیا اور پھر پھلوں کے بیجوں کی امانت سپرد کی اور پھر امانت کی ادائیگی میں درستی عطا کی۔ اس شعر میں فرمایا یہ جا رہا ہے کہ زمین ایک جماد اور بے شعور شیٔ ہے مگر احکام خداوندی کو سننے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ عنوان قرآن مقدس کے اس ارشاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ''و ان من شیٔ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم '' ہر شیٔ اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہی ہے مگر تم اُسے سمجھے نہیں۔

آں جماد از لطف چوں جاں میشود
زمہریر از قہر پنہاں میشود

پچھلے شعر میں اللہ کی طرف سے زمین کو پیغام آنے اور اس کے امانت دار ہونے کا ذکر فرمایا گیا، اس شعر میں بھی اسی عنوان کو دوسرے رنگ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ فصل بہار اللہ تعالیٰ کی صفت لطف کی مظہر ہے جب زمین میں ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے تو اسی کے اندر سے بے شمار انگوریاں زمین سے نمودار ہو کر زمین کو باغ و

بہار میں بدل دیتی ہیں اور پھر سردی کا موسم آتا ہے تو وہی باغ و بہار اُجاڑ کا نقشہ بدل دیتا ہے جو خدائے قدوس کی قہاری کا نقشہ ہے، وہی ٹھوس زمین لطف کا نقشہ پیش کرتی ہے اور پھر موسم خزاں قہر کا نقشہ پیش کرتا ہے۔

ہر جمادے را کند فضلش خبیر
عاقلاں را کردہ قہرِ او ضریر

اس کا دریائے فضل وکرم جب ہوش میں آتا ہے تو ہر بے حس کو باخبر بنا دیتا ہے اور جب اس کے قہر کی بجلی گرتی ہے تو اچھے اچھے عقل مند حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور وہ بجلی انہیں اندھا کر دیتی ہے۔

جان و دل را طاقت ایں جوش نیست
با کہ گویم در جہاں یک گوش نیست

اس شعر میں ایک کیفیت بیان کر رہے ہیں کہ رب قدوس کی قدرت کو دیکھ کر دل میں جو جوش پیدا ہوتا ہے وہ کس سے بیان کروں، دنیا میں اس کو سننے والا کوئی کان ہی نہیں، قدرت کے آثار بیان کرتے ہوئے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اور بیان کیا جائے اور اسرار الٰہیہ کھولے جائیں مگر پھر یہ دیکھ کر کہ کوئی غور وفکر سے سننے والا دکھائی ہی نہیں دیتا تو ضبط ہو جاتا ہے اور خاموشی کو ہی بہتر سمجھا جاتا ہے۔

ہر کجا گوشے بد ازوے چشم گشت
ہر کجا سنگے بُد ازوے یشم گشت

فرماتے ہیں اگر کہیں کوئی کان ایسا تھا جو سننے کے قابل تھا تو وہ اس کی بدولت فرط محبت سے آنکھ بن گیا اور جہاں کہیں پتھر کا سا سخت دل تھا وہ اس کے فیض سے ریشم کی طرح قیمتی اور نورانی بن گیا۔فرماتے ہیں جب طلب کا جوش اور قبول کی صلاحیت ہوتو سماع سے مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ کمال حاصل کرنے کیلئے قابل جوہر کا ہونا ضروری ہے۔

کیمیا سازے ست چہ بود کیمیا
معجزہ بخشے ست چہ بود سیمیا

پچھلے شعر میں ارشاد تھا کہ کمال حاصل کرنے کیلئے جوہر کا قابل ہونا ضروری ہے،اس شعر میں قدرت خداوندی کا ذکر فرماتے ہیں کہ رب قدوس کی ذات بابرکات اصل موجد کیمیا ہے۔کیمیا کی کوئی حقیقت نہیں ذات رب قدوس ہی ہے جو معجزہ عطا کرتی ہے ،شعبدہ بازی اور جادو کی کوئی حقیقت نہیں فرماتے ہیں رب قدوس کی قدرت ہے کان کی آنکھ بن جاتی کہ حق الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جاتا ہے اُسی کی قدرت ہے کہ پتھر ریشم کی صورت اختیار کر لیتا ہے فرماتے ہیں کیمیا کی کیا ہستی ہے کہ خود مؤثر ہو۔رب قدوس نے ہی کیمیا کو پیدا فرمایا، جادو کی کوئی حیثیت نہیں اللہ تعالیٰ معجزہ عطا فرماتا ہے جو جادو سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ ہے۔

پیش ہستی او بباید نیست بود
چیست ہستی پیش او کورو کبود

اس شعر میں مولانا رب قدوس کی عظمت کو بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں اس

کی ہستی کے آگے نیست و نابود ہو جانا چاہئے، اُس کے آگے اپنی ہستی ہے بھی کیا؟ کچھ بھی نہیں مشاہدہ حق کے سامنے یہ ہستی اندھی ہے اور غم دنیا سے سیاہ پوش ہے بتانا یہ چاہتے ہین کہ اپنی ہستی کا احساس ہی حجاب مشاہد ہے جس نے آنکھوں کو اندھا کر رکھا ہے اس حجاب کو اٹھا دینا چاہئے بس اس حجاب کا اٹھنا ہی بصیرت ہے۔

ور نبودے او کبود از تعزیت

کے فسردے ہمچو یخ ایں ناحیت

اس شعر میں مولانا نے طالب دنیا کی کیفیت بیان کی ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اس کا دل اُلجھ رہا ہے اور مال و دنیا کے فقدان کی فکر اُسے پریشان کر رہی ہے فرماتے ہیں اگر دنیا دار دنیا کے غم کی وجہ سے سیاہ پوش نہ ہوتا تو اس طرف برف کی طرح کیوں جم جاتی اب اس کی حالت یہ ہے کہ دنیا کی فکر اُسے برباد کر رہی ہے۔ دنیادار کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بلبل کو بہار کے چلے جانے کا صدمہ ہوتا ہے۔ بلبل کی حالت کو دیکھ کر کسی کو بھی رنگ و بو پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا میں رہنے اور اس کے ساتھ چلنے کے سلسلہ میں قرآن مقدس کا یہ ارشاد سامنے رہنا چاہئے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ" اے ہمارے رب ہماری دنیا بھی اچھی کر اور آخرت بھی اچھی فرما۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

بکھرے موتی

اس مثنوی کے اس پہلے حصہ کے اختتام پر قاری کے ذوق محبت کے پیش نظر حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ کے چند صوفیانہ نظریات کو ''بکھرے موتیوں'' کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے، عرصہ ڈیڑھ سال سے دائیں بازو میں تکلیف کے باعث لکھنے میں دِقت محسوس کرتا ہوں، خطرہ ہے کہیں اس تکلیف کے باعث مثنوی شریف کا ترجمہ بمعہ شرح مکمل نہ کرسکوں اور اس سعادت سے محروم رہ جاؤں، اسی وجہ سے ان کے چند ارشادات کو بکھرے موتیوں کے نام سے پیش کر رہا ہوں کہ مثنوی کا درس دینے والے صوفیاء استفادہ کرسکیں، ہوسکے تو دعا کردیں صحت ہو شفا ہو تو پوری کتاب کا ترجمہ کر سکوں۔

شیخ کامل سے وابستگی

حضرت مولانا روحانی مدارج کو طے کرنے کیلئے شیخ کامل سے وابستگی کو بہت بڑی اہمیت دیتے ہیں، روحانی مقامات کو بارگاہ قدس تک پہنچنے کیلئے ایک شان دار سیڑھی قرار دیتے ہیں جس کے سبب عالم بالا کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے، فرماتے ہیں

پیر باشد نرد بان آسماں
تیر پرّا از گرد از کماں

فرماتے ہیں روحانی آسمان پر جانے کیلئے مرد مومن شیخ کامل کی دامنگیر ی سیڑھی ہے فرماتے ہیں تیر چلانے کیلئے کمان کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی

تیروں کیلئے شیخ کامل شاندار کمان ہوتا ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

مقام فنا

صوفیاء کرام اپنے بقاء کیلئے اپنے فنا کو بہت بڑی اہمیت دیتے ہیں تکبر وغرور سے نفرت انا اور اکڑ بازی سے دوری کو اپنی فنا کی مرکزی اینٹ قرار دیتے ہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اس مقام فنائیت کو اپنے اس شعر میں فرمایا ہے۔

گر ہمی خواہی کے بفروزی چو روز
ہستی ہمچوں شب خود را بسوز

فرماتے ہیں اگر تو چاہتا ہے کہ دن کی طرح روشن ہو اور سورج کی طرح تیرا فیض عام ہو اور اس کی روشنی کی طرح مشرق ومغرب میں تیری ضرورت ہو جیسے لاکھوں کروڑوں ستارے سورج سے فیض لیتے ہیں اور آگے پہنچاتے ہیں تو بھی ایسا ہی ہو تو پھر اپنی رات جیسی ہستی کو جلا کر فنا کر دے تیری یہ فنا تجھے بقا میں بدل دے گی حضرت مولانا کا نظریہ ہے کہ اگر تو اپنے وجود کو عطا کرنے والے اللہ رب العزۃ کی ذات میں تانبے کی طرح کیمیا میں پگھلا دے گا تو منزل مقصود کو پالے گا۔ رب قدوس جل مجدہٗ کی افضل واعلیٰ ہستی کے سامنے اپنے وجود کا اقرار کوئی معنی نہیں رکھتا، جب محبوب حقیقی جلوہ گر ہو تو اپنی ہستی کو مٹانا ہی کمال بلندی ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیئے
دانا خاک میں مل کر گل وگلزار بنتا ہے

حضرت مولانا کا مؤقف ہے حق کے ساتھ کامل ہونے کی وجہ سے ہی مجھے اعلیٰ درجہ کا نور بصیرت نصیب ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

مقام ولائیت

شیخ کامل کے بارہ میں مولانا کا نظریہ ہے کہ وہی خدا تک پہنچنے کی صحیح راہنمائی کرتا ہے، مولانا فرماتے ہیں لوگوں کو چاہئے کہ شیخ کامل کی باتوں سے اپنے دلوں کو مزین کریں تا کہ شیخ سے اسرار قلبی اور روحانیت حاصل کر سکیں۔ شیخ کامل کے بارہ میں مولانا کا نظریہ ہے کہ اس کا وجود قوم کی اصلاح کیلئے ایسے ہی ہوتا ہے جیسے نبی کا وجود اُمت کی اصلاح کیلئے ہوتا ہے۔ اس عنوان کو مولانا اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش
چوں نبی باشد میان قوم خویش

حضرت مولانا نے اپنے اس شعر میں الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ کے مفہوم کو بیان کیا ہے کہ شیخ اپنی قوم میں اصلاح اور بہتری پیدا کرنے کیلئے ایسے ہی ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت کیلئے ہدایت کا سبب بنتا ہے۔

شیخ کامل کی صحبت

فقر اور درویشی کے مقام تک پہنچنے کیلئے مولانا کا نظریہ ہے کہ شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے ''الصحبۃ توثر و لوقل ''صحبت اثر انداز ہوتی ہے وہ تھوڑی ہی

کیوں نہ ہو۔ صحابی کی عظمت و رفعت کا راز نبی کریم ﷺ کی صحبت و حاضری سے ہی ہے لاکھوں غوث قطب ابدال اکٹھے پرواز کر کے بھی بلال حبشی (رضی اللہ عنہ) کی ہوا نہیں پہنچ سکتے کہ حضرت بلال کو حضور ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہے اور یہ غوث قطب ابدال اس نعمت سے محروم ہیں۔ حضرت مولانا اس عنوان کی اہمیت کو اس شعر میں فرماتے ہیں۔

فقر خواہی آں بصحبت قائم است
نے زبانت کارمی آید نہ دست

اگر تو درویشی کے مقام سے آشنا ہونا چاہتا ہے تو وہ شیخ کی صحت پر موقوف ہے اس مقام پر جانے کیلئے نہ زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ اس مقام تک جانے کیلئے مرید کی روح مرشد کامل کی روح سے سینہ بہ سینہ فیض حاصل کرتی ہے اور یہ فیض ہاتھ زبان کتاب سے حاصل نہیں ہوتا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

روحانی پرواز کیلئے تقویٰ شرط

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے روحانیت کے بلند مقام کو پانے کیلئے تقویٰ پرہیز گاری اور زُہد کو لازم قرار دیا ہے، روحانی پرواز کرنے والوں سے فرماتے ہیں اگر تم بلندیوں پر جانا چاہتے ہو تو تمہیں نیکیوں کی طرف مائل ہونا چاہئے۔ فرماتے ہیں جیسے جسمانی پہلوان بننے کیلئے پہلوانوں کی سی محنت ورزش ضروری ہے ایسے ہی روحانیت کے بلند مقام پر پہنچنے کیلئے عبادت، ریاضت، تقویٰ، پرہیز گاری کے اصول

اپنانے ضروری ہیں۔ مولانا نے اس عنوان کو اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے

رستمی گر بایدت خنجر بگیر
در بخیری مائلی چادر بگیر

فرماتے ہیں جو لوگ بلندیوں پر جانا چاہتے ہیں انہیں نیکی میں دلچسپی لینی چاہئے فرماتے ہیں اگر رستم بننے کی خواہش رکھتے ہو تو پھر خنجر پکڑو اور میدان میں کودو، یہ میدان عبادت و ریاضت، اخلاق حسنہ، اِخلاص انصاف کا میدان ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی صحیح ادائیگی اس میدان کو سَر کرنے کی کامیاب چابی ہے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

اہل اللہ سے دوری خدا سے دوری ہے

حضرت مولانا نے اپنی کتاب مثنوی شریف میں اولیاء اللہ سے وابستگی اُن کی حاضری کو جگہ بہ جگہ اہمیت دی ہے کبھی کسی مثال سے سمجھایا کبھی کسی جگہ کوئی واقعہ سنایا غرضیکہ مثنوی شریف کے قاری کی اصلاح کیلئے اس عنوان میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ شیخ کامل کی اہمیت جو حدیث شریف میں ذکر ہے کہ رب ذوالجلال فرماتا ہے بندہ نفل پڑھ پڑھ اس قدر میرے قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اسی ارشاد کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

چوں شوی دور از حضور اولیاء
در حقیقت گشتہ دور از خدا

اگر تو اولیاء کی حاضری سے دور ہو گیا تو حقیقت یہ ہے کہ تیری یہ دوری در اصل خدا سے دوری ہے۔ حضرت مولانا اہل اللہ سے تعلقات کی وابستگی اس عنوان میں بیان کرتے ہیں جیسے کوئی گداگر بھکاری منگتا بادشاہ سے عجز وانکساری سے مانگتا ہے تجھے بھی اولیاء اللہ سے فیض حاصل کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس عنوان کو اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں،

در بگوئی مشکل استفسار گو
با شہنشائی تو مسکین وار گو

فرماتے ہیں جیسے فقیر کو بادشاہ سے لینے کیلئے ہمت اور جرأت نہیں ہوتی ایسے ہی تجھے اہل اللہ سے بات کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

اللہ والوں کو اپنے جیسا نہ سمجھ

انبیاء علیہم السلام کو کفار نے اپنے جیسا ہی آدمی سمجھا کہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں لوگوں کا یہ تصور ان کی گمراہی بے دینی کا سبب بن گیا حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر وحی کے اترنے سے اُنہیں عام انسانوں سے بلند مقام دے دیا گیا چونکہ ولی اللہ بھی اپنی قوم میں اصلاح بہتری اور قوم کی اچھائی میں نبی کی طرح ہی کام کرتا ہے عام لوگ انہیں اپنے جیسا ہی خیال کر کے اُن سے دور ہو کر گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ مولانا ایسے ظاہر بین لوگوں کی ہدایت کیلئے فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود بگیر
گرچہ باشد دو نوشتن شیر و شِیر

فرماتے ہیں پاک لوگوں کو اپنے پر قیاس نہ کر اگرچہ لکھنے میں فقط شیر اور شِیر ایک ہی معلوم ہوتے ہیں مگر شیر ایک جنگلی جانور ہے اور شِیر پینے کا دودھ ہے۔ کھاری اور میٹھا پانی دیکھنے میں ایک جیسا ہی پانی ہے مگر پینے میں ایک کڑوا ہے دوسرا میٹھا۔ عام لوگ ظاہری شکل وصورت کو دیکھ کر اہل اللہ کو بھی اپنے جیسا ہی تصور کرتے ہیں جو غلط ہے یہ لوگ خدائے ذوالجلال سے قرب کی وجہ سے بہت بلند و بالا ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا نے اس عنوان پر اپنی مثنوی شریف میں بہت واضح تبصرہ کیا ہے، فرماتے ہیں فرعون کے جادوگروں کے کرتب اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ بظاہر تو عصا ہی سانپ معلوم ہوتا تھا، مومن اور منافق ایک جیسے ہی لگتے ہیں مگر فرق بہت بڑا ہے، مولانا فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رُسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل کو اہل اللہ پر طعن اور ان کے خلاف بدگوئی پر مائل کر دیتا ہے اور وہ گستاخ لوگ اسی بک بک میں زندگی گزارنے کو اہمیت دیتے ہیں مگر اہل اللہ کو ان کی مخالفت دشمنی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دولت سے نوازا ہوا ہے کہ خوف وغم دونوں سے آزاد ہیں مجھے کوئی مارنے کا ارادہ کرے مجھ پر لاٹھی اُٹھادے اس کے ایسا کرنے سے جو کیفیت مجھ پر طاری ہوگی وہ خوف ہے۔ اہل اللہ اس سے بھی بری ہیں مجھے کوئی مار رہا ہے کسی دوسرے کو میری حالت پر رحم آتا ہے تو یہ غم ہے اہل اللہ اس سے بھی محفوظ ہیں، اس دن انہیں اپنے عقیدت مندوں کی تکلیف کا غم بھی نہیں ہوگا کہ

اللہ انہیں اہل اللہ کے تعلق کی وجہ سے تکلیف سے محفوظ فرمائے گا ، اللہ والوں کی مخالفت میں بربادی تباہی اور ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

اللہ والوں کی حاضری

حضرت مولانا نے اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے سوسال کی بے ریا عبادت سے بھی اہم قرار دیا ہے یہ لکھتے ہوئے مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا ہے۔حضور داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس مبارک کی تقریب میں مجھے تقریر کیلئے بلایا گیا میں سعادت سمجھ کر حاضر ہو گیا، حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ کا یہ شعر یاد آ گیا۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء ۔۔۔ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کہ ولی کی بارگاہ میں چند لمحات گزارنے سو سال کی بے ریا عبادت سے بھی اچھے ہیں، بھرے مجمع سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر تردید کی کہ یہ نظریہ صحیح نہیں، اس وقت جو مجھے جواب سوجھا یہ تھا اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنی انگوٹھی میں نگینہ جڑ لے مگر وہ بندہ سنار نہیں، اُسے نگینہ جڑنے کا طریقہ نہیں آتا اس پر وہ کئی گھنٹے گزار دیتا ہے مگر ناکام ہے اگر کوئی سنار اس پر رحم کھائے اور اس کے نگینے کو لمحہ میں ٹھیک کر دے تو ہو سکتا ہے۔ایسے ہی سمجھو اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کے دل میں عشق مصطفٰے کا نگینہ جڑ جائے مگر وہ اپنی نا اہلی کے باعث ایسا کر نہیں سکا ، اس کی پریشانی پر کسی ولی اللہ کو رحم آ جائے ، داتا ہجویری اپنی عشق و محبت کی نگاہ سے ایک لمحہ میں ٹھیک کر دیں تو کیا بعید

ہے۔حضرت مولانا کے شعر کا مفہوم بھی اسی پر قیاس کرلیا جائے اور پھر صحبت اثر کرتی ہے تھوڑی دیر ہی کیوں نہ ہو، صحابی کو مقام حضور ﷺ کی صحبت سے ہی ملا ہے کوئی غیر صحابی صحابی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا عبادت وریاضت کتنی ہی کیوں نہ کرلی ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

شیخ کامل دور نہیں ہوتا

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ کا اولیاء اللہ کے بارہ میں نظریہ بڑا مضبوط ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دی گئی طاقت کے ساتھ مختلف مقامات پر جلوہ گر ہوجاتے ہیں اور اپنے عقیدتمندوں کی دستگیری کرتے ہیں، عرصہ ۲۵ سال پہلے کی بات ہے میں حج پر گیا اور وہاں شدید بیمار ہوگیا علاج ہوتا رہا صحت نہ ہوئی واپسی پر مجھے جہاز میں لٹا کر کراچی لایا گیا، ڈاکٹر محمد حسن مرحوم کے گھر قیام تھا، میری حالت موت وحیات کی کشمکش میں تھی نہ بیٹھ سکتا، نہ پہلو بدل سکتا ایسی حالت میں مجھے حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ کا شعر یاد آیا۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست
دست او جز قبضہ ٔ اللہ نیست

شیخ کا ہاتھ دور تک پہنچ جاتا ہے اس لئے کہ اس کا ہاتھ اللہ کی قدرت کے بغیر کچھ نہیں۔

اسی دوران مجھے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کا واقعہ یاد آیا کہ آپ کو انتقال کے وقت شیطان نے ورغلایا کہ رازی تو بہت بڑا عالم ہے سوچ جو لوگ کہتے

ہیں کہ خدا ایک ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ اتنے بڑے نظام کو چلانے کیلئے کئی خدا ہونے چاہئیں، آپ نے تردید فرمائی کہ نہیں خدا ایک ہی ہے، شیطان نے پھر دلیل دی آپ نے پھر توڑ دی اسی دوران آپ کے شیخ نجم الدین کبریٰ میلوں دور وضو فرما رہے تھے، نگاہ ولایت سے دیکھا کہ فخر الدین گھِر گیا ہے آپ نے وہیں سے پانی کا چھینٹا پھینکا جو فخر الدین رازی کے منہ پر پڑا اور ساتھ ہی فرمایا فخر الدین اس سے بچنے کیلئے کہو میں بغیر دلیل کے مانتا ہوں خدا ایک ہی ہے۔ یہ واقعہ بھی یاد آیا اور پھر مجھے اپنے شیخ حضور سیدنا خواجہ میاں علی محمد خاں علیہ الرحمہ کے بارہ میں خیال گزرا کہ میرا شیخ ہے تو کامل مگر میرے حال سے بے خبر ہے ورنہ میں بچ جاتا، بس یہی لمحہ تھا کہ خواب میں حضور میاں صاحب علیہ الرحمہ آئے اور فرمایا مولوی صاحب رومی نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے، فرمایا لو میں تمہارے لئے یہ مصلّی لایا ہوں اس پر لیٹ جاؤ میں حسب حکم مصلّی پر لیٹ گیا آنکھ کھلی ہے تو میری تکلیف کافی حد تک ختم ہو چکی تھی، خود ہی بیٹھا اُٹھا اور چلا۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ اپنے کاملین کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

ہمنشین اہل معنی باش تا ہم عطایابی و ہم باشی فتیٰ

فرماتے ہیں اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ تا کہ تو بھی عارفین کاملین میں شمار ہو سکے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

خدا کی ہم نشینی

اولیاء کاملین کے بارہ میں مولانا رومی علیہ الرحمہ کا نظریہ بہت بلند و بالا ہے فرماتے ہیں اگر کوئی چاہتا ہے کہ بارگاہ قدس رب العزۃ کا قرب پائے تو اُسے چاہیئے

کہ اولیاء کاملین کی محفلوں میں بیٹھے ۔مولانا شیخ کامل کے اتحاد کو قرب خداوندی کا زینہ بتاتے ہیں شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے جیسے بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے ایسے ہی انسان کا دشمن شیطان ہے اور شیطان انسان کے اندر وہاں وہاں چلتا ہے جہاں جہاں خون چلتا ہے جیسے حدیث شریف سے ظاہر ہے ''ان الشیطان یجری مجری الدم ''مولانا فرماتے ہیں شیطان کے مکروفریب اور ہتھکنڈوں سے نجات پانے کیلئے شیخ کامل کی صحبت ہی بہترین کامیاب علاج ہے، شیخ کامل کی صحبت سے راسخ عقیدہ کے مرید کو خدائے قدوس کی ہم نشینی کا شرف مل جاتا ہے، فرماتے ہیں

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

او نشیند در حضور اولیاء

اگر کوئی چاہتا ہے کہ خدا کا قرب حاصل کرے تو اولیاء کاملین کی محفل اختیار کرے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

اولیاء اللہ دِلوں کے راز جانتے ہیں

اولیاء کرام کے بارہ میں مولانا روم علیہ الرحمہ کا نظریہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دی گئی طاقت فراست سے دلوں کے رازوں پر بھی نظر رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے صوفیاء کرام نے کہا اولیاء کرام کے پاس جاؤ تو دل میں کوئی غلط نظریہ لے کر نہ جاؤ کہ وہ دل کے راز کو بھی جانتے ہیں، صوفیاء کہتے ہیں اولیاء اللہ دلوں کے جاسوس ہیں اس عنوان پر اہل اللہ کے بے شمار واقعات ملتے ہیں، سحری کے وقت یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا جو قارئین کیلئے ہدیہ ہے۔جس سال یہود نے مسجد اقصیٰ پر

قبضہ کیا بے حرمتی کی، حج کے موقعہ پر مدینہ منورہ میں حاضری ہوئی تو صلوٰۃ وسلام پیش کرتے وقت یہ دردناک واقعہ سامنے آ گیا۔ بارگاہ رسالت میں رویا، عرض کی حضور مسجد اقصیٰ پر نظر فرمائیں، اسی مسجد شریف میں آپ نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی یہیں سے معراج شریف پر گئے، درد سے رویا التجائیں کیں، آہ وزاری دیر تک جاری رہی، دعا سے فارغ ہوا تو دیکھا میرے پیچھے شامی علماء کی ایک جماعت بھی کھڑی تھی جو میرے ساتھ روتی رہی انہوں نے مجھے کہا ہم تجھے شام کے ایک ولی کی زیارت کرائیں جو براہِ راست حضور ﷺ سے باتیں کر لیتے ہیں، میں نے انتہائی سعادت سمجھتے ہوئے ہاں کی، وہ مجھے مواجہہ شریف سے لے کر چلے، میں نے دل میں سوچا ایسے ولی سے ملاقات ہے اُن سے دوسوال کروں گا ایک تو یہ کہوں گا حضور کی بارگاہ میں میرا اسلام عرض کریں، دوسری درخواست کروں گا، حضور ﷺ سے عرض کریں مجھے آئندہ سال بھی حاضری نصیب ہو، جب ہم باب عمر رضی اللہ عنہ پہنچے تو وہی بزرگ ایک جماعت کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے اور آتے ہی محفل ذکر میں مصروف ہو گئے۔ میں بھی شامل رہا دعا کے بعد ان بزرگوں نے مجھے اشارے سے آگے بلایا اور فرمایا ''بلغت منك السلام الی حضرة النبی الکریم'' میں نے تیرا سلام حضور ﷺ سے عرض کر دیا ہے میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ یہ سوال کرنا تو میرے دل میں ہی تھا انہوں نے پہلے جواب دیدیا، ان کے کامل ولی ہونے پر اور زیادہ یقین ہو گیا، اب میں سوچ رہا تھا دوسرا سوال میں خود عرض کر دوں تو فرمایا'' لا تحزن انك تاتی فی سنة الآتی '' فکر نہ کر تو اگلے سال بھی آئے گا مجھے ان کی ولایت پر زبردست یقین ہو گیا۔ اولیاء اللہ کے بارہ میں اسی عنوان کو مولانا رومی علیہ الرحمہ نے

اس طرح بیان فرمایا ہے۔

آنکہ واقف گشت بر اسرار ہو
سرّ مخلوقات چہ پیش او

فرماتے ہیں جو بندہ رب ذوالجلال کے اسرار سے واقف ہو جائے اس کیلئے مخلوقات کے راز معلوم کرنا کونسا مسئلہ ہے، اسی عنوان کو دوسرے شعر میں اس طرح فرمایا

آنکہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمین چہ دشوارش بود

جس شخص کی رفتار آسمانوں پر ہوا سے زمین پر چلنا کیا مشکل ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

نورمومن کی عظمت

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اپنی محبوب کتاب مثنوی شریف میں اولیاءاللہ کی عظمتیں برکتیں جابجا بیان کی ہیں کہ لوگ استفادہ کریں اوران لوگوں سے وابستہ ہوں، مولانا فرماتے ہیں جب مومن کا دل یادالٰہی میں مصروف ہوتا ہے تو اس دل میں یادِ الٰہی کی ایسی کیفیت وحرارت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ حرارت دوزخ کی حرارت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، مومن جب پل صراط سے گزرے گا تو دوزخ کی پکار کیا ہوگی ''جز یا مومن اطفأنورك لهبی '' اے مومن جلدی گزر جا تیرے نور نے میری آگ کو سرد کر دیا ہے۔ مولانا نے نور مومن کی عظمت کو اپنے اس شعر میں اس

طرح ذکر کیا ہے۔

گویدش بگزر زمن اے شاہ زود

ہیں کہ نورت سوزد نارم را ربود

یہ دوزخ کی پکار ہوگی، مومن جلدی گزر جا تیرے نور نے میری آگ کے سوز کو بجھا دیا ہے، مولانا فرماتے ہیں اگر جہنم کی آگ سے بچنا چاہتا ہے تو اہل اللہ کے نور سے وابستگی اختیار کر آگ کا نور کی ضد ہونا قیامت کو ظاہر ہوگا کہ اس دن جہنم کی آگ غضب الٰہی سے بھڑکی ہوگی اور مومن کا نور رب قدوس کے فضل وکرم سے باہیبت ہوگا۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

نفس دشمنی میں قرب الٰہی ہے

حضرت مولانا نے اپنی کتاب کے شوقین لوگوں کیلئے قرب خداوندی کے طریقے بتائے ہیں، جن میں ایک طریقۂ قرب یہ بھی بیان کیا ہے کہ خواہشات نفس کو پامال کرو اور شیطان کے دوستوں سے الگ تھلگ رہو گے تو قرب خداوندی پاؤ گے، ملت اسلامیہ کا یہ ایک مسئلہ متفقہ ہے کہ انسان فرشتہ سے آگے ہے وہ کمالات جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیے ہیں فرشتہ ان سے محروم ہے، فرشتے ہردم عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور کبھی بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ یہ بھی یاد رہے درجات اس وقت بلند ہوتے ہیں جب کوئی کسی بری بات سے برے کام سے اپنے کو بچائے، نفس چاہتا ہے کہ برائی کرے مگر یہ بندہ نفس کی مخالفت کرتا ہے اور برائی سے رک جاتا ہے شرف

انسانیت کا یہی راز ہے کہ بندہ گناہ پر قادر ہے مگر پھر نفس کی خواہش کو پامال کر دیتا ہے اسی باعث اس کو بلند مقام دیا جاتا ہے، فرشتہ گناہ پر قادر ہی نہیں تو گناہ نہ کرنے کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے، شیطان فرشتے کو گمراہ ہی نہیں کر سکتا غلط راہ پر چلا ہی نہیں سکتا تو اسے شیطان کی اتباع سے روکنے کا مسئلہ ہی نہیں، شیطان انسان کو دھوکہ دے سکتا ہے برائی پر آمادہ کر سکتا ہے تو انسانوں کو حکم دیا گیا شیطان کا اتباع نہ کرو وہ تمہارا دشمن ہے نفس کی شرارتوں سے بچے رہنے کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

نفس تو با مست نقل است و نبید

وانکہ روحت خوشہ غیبی ندید

فرماتے ہیں جب تک تیرا نفس دنیا کی عیش و عشرت میں مست ہے تو یقین کر لے کہ تیری روح نے قرب حقیقی کا غیبی خوشہ دیکھا ہی نہیں ایک اور مقام پر اسی عنوان کو اس طرح فرماتے ہیں۔

زہر تن را نافع ست وقند نہ

عبادت و ریاضت کا زہر بدن کیلئے مفید ہے اور خلاف شریعت عیش و عشرت کا قند نقصان دہ ہے، نفس کی دشمنی سے مراد نفس امارہ کی مخالفت ہے ورنہ نفس لوّامہ یا نفس مطمئنہ تو اچھائی ہے۔

نفس پر قابو پانے کیلئے مولانا فرماتے ہیں تیرا سرکش اکھڑ نفس جو گدھے کی طرح ناچ کود رہا ہے، اسے قابو میں رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس پر شریعت کا بوجھ ڈال، اسے عبادت و ریاضت کے رنگ میں مصروف کر، اس کی خواہشات کو پامال

کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا رہ ورنہ یہ سرکشی میں بڑھ کر تجھے گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے گا نفس کی سرکشی کے ماحول میں آدمی رحمات وبرکات الٰہیہ سے محروم ہوجاتا ہے نفس کی سرکشی سے بچنے کیلئے روح کی قوت، دل کی اصلاح زبردست علاج ہیں، مولانا نفس کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

نفست اژدہا ست او کے مردہ است
از غم بے آلتی افسردہ است

فرماتے ہیں تیرا نفس سانپ ہے جیسے سانپ ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے مردہ محسوس ہوتا ہے جونہی اسے گرمی پہنچتی ہے کاٹتا ہے، اپنی دہشت سے ڈراتا ہے یہی حال نفس کا ہے عارضی طور پر کمزور ہو تو موقع ملتے ہی اصلی خباثت پر آجاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

نفس پر قابو پانے کے بعد

جب کوئی بندہ احکام شریعت کی اتباع سے سرکش نفس پر قابو پالیتا ہے تو وہ مقبولین بارگاہ کے زمرہ میں اولیاء کاملین کی فہرست میں آجاتا ہے، اس مردمومن کی طاقت کو مولانا اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

اولیاء را ہست قدرت ازالہ
تیر جستہ باز گرداند زراہ

ایسے اولیاء کاملین کو اللہ کی طرف سے ایسی طاقت مل جاتی ہے کہ کمان سے

نکلے ہوئے تیر کو اس کے گرنے سے پہلے واپس کمان میں لا سکتے ہیں انہیں لوگوں کو وہ طاقت مل جاتی ہے کہ ان کی دعا سے لوح محفوظ کی تحریر بھی بدل جاتی ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے تفسیر مظہری میں ایک مقام پر مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا واقعہ نقل کیا ہے آپ کے صاحبزادوں کو پڑھانے کیلئے ملا طاہر لاہوری آئے آپ نے ملا طاہر لاہوری کو دیکھا ان کے جانے کے بعد صاحبزادوں سے فرمایا بیٹو تمہارا استاد تو جہنمی ہے، بیٹوں نے جنتی بنانے کا اصرار کیا تو فرمایا میں لوح محفوظ پر دیکھوں گا، لوح محفوظ کو دیکھا تو وہاں بھی لکھا ہوا تھا یہ جہنمی ہے، بیٹوں سے فرمایا بیٹو میں کچھ نہیں کر سکتا ۔لوح محفوظ پر بھی اس کے جہنمی ہونے کی تحریر ہے، بچوں نے کہا باباجی اگر وہاں پر لکھا ہوتا یہ جنتی ہے تو ہمیں آپ کی منتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔مجدد الف ثانی فرماتے ہیں بیٹوں کی اس بات نے مجھے حیران کر دیا تو مجھے غوث اعظم کی بات یاد آئی آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ میری دعا سے تقدیر بدل دیتا ہے، میں نے عرض کی اللہ اپنے بندے عبدالقادر جیلانی کی دعا کے واسطہ سے ملا طاہر کی تقدیر بدل دے، چنانچہ تقدیر بدل گئی بجائے جہنمی کے جنتی لکھا گیا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

دنیا سے کنارہ کشی

حضرت مولانا نے روحانیت کو عروج پر پہنچانے کیلئے مثنوی شریف میں بہت سے طریقے بتائے، مثالوں سے سمجھایا اُن بے شمار طریقوں میں ایک طریقہ دنیا سے کنارہ کشی کا یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کو چاہئے مخلوق کی دوستی کو چھوڑ کر رب قدوس

جل مجدہٗ کی ذات والا صفات سے دل لگائے ، دنیا سے لگاؤ اور تعلقات بس اسی دائرے میں ہوں جن کی شریعت اجازت دیتی ہے۔دنیا کی زندگی گزارنے کے لئے ارشادخداوندی" ربنا آتنا فی الدنیا حسنہ " کا وظیفہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے۔ حضور سید عالم ﷺ کے ارشاد گرامی میں یہ عنوان اس طرح ملتا ہے" الدنیا مزرعۃ الآخرۃ اوکما قال ﷺ" دنیا آخرت کی کھیتی ہے دنیا کی زندگی اعمال کا بیج بونے کا وقت ہے جس کی پیداوار قیامت کو کام آئے گی۔حضور ﷺ کے اس ارشاد میں مومن کو کھیتی باڑی کا کام کرنے والے سے تشبیہ کا نشان ملتا ہے۔جیسے کسان زمین میں بیج ڈالنے سے پہلے اُسے ہل چلا کر نرم کرتا ہے مومن کو بھی چاہئے کہ دل کی زمین کو اطاعت محبت کا بیج ڈالنے سے پہلے ریاضت کے ہل سے نرم کرے، مومن کو چاہئے جیسے کسان اپنی کھیتی کو پانی دیتا ہے یہ بھی اپنے دل کی زمین کو آنسوؤں کا پانی دیتا رہے۔مومن کو بھی چاہئے جیسے کسان اپنی زمین سے بے تکی بوٹیاں گھاس کاٹ دیتا ہے یہ بھی دل کی زمین سے حسد غصہ کینہ کفر نفاق کی بوٹیوں کو اُکھاڑ باہر کرے، مومن کو بھی چاہئے جیسے کسان اپنی کھیتی کی حفاظت کرتا ہے کہ کوئی جانور برباد نہ کردے یہ بھی اپنے اعمال صالحہ کی کھیتی کی حفاظت کرے کہیں شیطان برباد نہ کردے جیسے کسان اپنی فصل کیلئے دعا کرتا رہتا ہے کہ ژالہ باری، شدید بارش نقصان نہ پہنچائے مومن کو بھی چاہئے کہ اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کیلئے نفس وشیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے دعا کرتا رہے۔ مولانا اس عنوان پر فرماتے ہیں انسان کو چاہئے دنیا کی زندگی کو آخرت بہتر بنانے کیلئے غنیمت جانے اور لغویات سے بچ کر چلے بیج ڈالنے کے اس موسم سے فائدہ اُٹھائے اور بیج ڈال لے مولانا نے اس عنوان پر اپنے اس شعر میں اس طرح فرمایا ہے۔

آں کہ غافل بود از کشت بہار
او چہ داند قیمت ایں روزگار

جو بیج بونے کے موسم بہار سے غافل رہا وہ اس وقت کی قدر کیا پہچان سکتا ہے کہ وہ وقت کس قدر قیمتی تھا انسان کو چاہئے کہ اس وقت کی قدر کرے اور اعمال صالحہ کی کھیتی میں دل چسپی لے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

صراط مستقیم کا سفر

مقام روحانیت کے حصول کیلئے صراط مستقیم پر چلنا نہایت ہی ضروری ہے صراط مستقیم وہ عظیم نعمت ہے جس کا ذکر قرآن مقدس نے سب دعاؤں سے پہلے فرمایا ''اھدنا الصراط المستقیم '' اے ہمارے اللہ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت فرما۔ علماء نے ہدایت کی کئی صورتیں بیان کی ہیں، ایک ہدایت فطری ہے جو ہر بچے کو ماں کے پیٹ میں ہی دے دی جاتی ہے بچے کا رونا، اُس کا دودھ پینا، ماں کی چھاتی کو زبان اور تالو کے درمیان دبانا وغیرہ دوسری ہدایت الٰہیہ یہ ہے کہ صرف مسلمان بچے کو نصیب ہوتی ہے اسی کا نام صراط مستقیم ہے اس ہدایت کے ملنے کا دروازہ صرف اور صرف سید الانبیاء حبیب کبریا ﷺ پر ایمان اور ان کی اطاعت ہے اسی راہ کو اپنانے اور خواہشات نفس سے بچنے سے قرب خداوندی کا دروازہ کھلتا ہے اور کائنات تابع ہو جاتی ہے پھر اسی بندے کے حکم کو کائنات کا ہر ذرہ مانتا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک بندہ شیر پر سوار آ رہا ہے، اس عجیب

اور عظیم منظر سے میں گھبرا گیا قدم اٹھانے کی ہمت نہ تھی شیر پر سواری کرنے والا یہ بندہ جب میرے قریب آیا تو مجھے کہا

تو ہم گردن از حکم داور پیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اس نے کہا تو خدا کے حکموں کی اطاعت کر ساری کائنات تیرے تابع ہوجائے گی۔

فرماتے ہیں جب فقیر صراط مستقیم پر آ کر خواہشات نفسانیہ سے پاک ہوجاتا ہے تو پھر اسے خدا کا قرب نصیب ہوجاتا ہے اللہ کی دوستی مل جاتی ہے پھر اس طرح شیر کا شکار بھی تمہارا حال بن جاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

حسد کی مذمت

حضرت مولانا نے روحانی مقامات حاصل کرنے میں بہت سی برائیوں رکاوٹوں کا ذکر بھی کیا ہے، اُن رکاوٹوں سے ایک بڑی رکاوٹ حسد بھی ہے اور یہ برائیوں کا سرچشمہ ہے کمینی حرکت ہے کسی کے کمال، مرتبہ عظمت کو دیکھ کر جلنا حسد ہے اس بیماری کے بارہ میں حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ملتا ہے "الحسد تأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب او كما قال ﷺ" حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس رذیل بیماری سے بچنے کے سلسلہ میں صوفیاء نے کئی علاج بتائے ہیں، ایک کامیاب علاج تو یہ ہے کہ آدمی یہ عقیدہ بنالے کہ جس شخص کے کمال سے وہ حسد کر رہا ہے وہ کمال وہ دولت وہ عظمت اُسے خدائے

ذوالجلال نے دی ہے اور خدا کی طرف سے دی گئی کسی شی کو کوئی دوسرا ختم نہیں کرسکتا ۔ اس کے حسد سے اُس کی نعمت ختم نہیں ہوسکتی کہ وہ نعمت اُسے خدا نے دی ہے حاسد خود ہی اپنے حسد کی آگ میں جل کر برباد ہو جاتا ہے، حاسد کی نیکیاں برباد ہوتی ہیں جب کہ جس بندہ سے حسد کیا جارہا ہے اس کی نیکیوں کے ڈھیر میں برکت ہوتی ہے اگر حاسد چاہتا ہے کہ اس بیماری سے نجات حاصل کرے تو اس عقیدہ کو مضبوط بنالے کہ اس کا حسد خدا کی عطا کو ختم نہیں کرسکتا، ایک علاج یہ بھی ہے کہ حسد کرنے والا اپنے محسوس کے بارہ میں گاہے بگاہے اچھی باتیں کہتا رہے کبھی اسے شرم آئے گی کہ میں اس کی تعریف بھی کرتا ہوں اور اس سے جلتا بھی ہوں تو کسی حد تک اصلاح کی راہ کھل جائے گی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں حسد اور طمع ایسی رذیل بیماریاں ہیں جیسے یہ دونوں لفظ نقطوں سے خالی ہیں ایسے ہی حاسد اور طامع رب کی رحمت سے خالی ہوتے ہیں، حسد کی بیماری سے بچنے سے متعلق مولانا اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں:

باہوا ذر آرزو کم باش دوست
چو یضلک عن سبیل اللہ اوست

فرماتے ہیں ہوا وحرص ایسی خواہشات سے دور رہ کہ یہ بری عادتیں تجھے خدا سے دور کردیں گی، ہوا وحرص حسد ایسی بیماریوں کا شاندار علاج شیخ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینا بھی ہے فرماتے ہیں

ایں ہوا را نشکند اندر جہاں　　　ہیچ چیزے ہمچو سایہ ہمرہاں

ان بیماریوں کا علاج شیخ کامل کے بغیر مشکل ہے۔

خودثنائی

مقام روحانیت سے محروم رہنے کیلئے کئی بیماریاں ہیں اگر اُن بیماریوں میں سے انسان کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اس کی روحانی ترقی رک جاتی ہے، ان بیماریوں سے ایک بیماری خودثنائی بھی ہے، اپنی تعریف کرنا اپنے کو برگزیدہ سمجھنا جب کوئی بندہ اپنے کو کمزور حقیر مجرم سمجھ کر چلتا ہے تو اس کی روحانی ترقی بڑھتی رہتی ہے، اس کا اپنے کو گنہگار کہنے ماننے کا احساس اُسے بلندیوں کی طرف لے جاتا رہتا ہے، جب اپنے کو کامل سمجھنے لگ جائے تو ترقی رک جاتی ہے، یہ ذلیل قسم کی بیماری سب سے پہلے ابلیس میں آئی جب اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں وہ تو مٹی سے بنایا گیا اور میں آگ سے، یہ میری فضیلت ہے اس کی ہی خودثنائی اس کی رسوائی و ذلت کا سبب بن گئی۔ دل کی بیماریوں سے یہ بیماری سخت تباہ کن ہے اس بیماری کا علاج عجز ہے انکساری ہے اللہ کے حضور آہ وزاری ہے اپنے کو گنہگار سمجھ کر توبہ استغفار کی کثرت ہے شہرت سے نفرت ہے۔ ایک غلام نے اپنے مالک سے کہا میں غلامی میں کمی نہیں کروں گا مگر ایک شرط ہے رات کو مجھ سے کام نہ لیا جائے میرے کمرے میں کوئی نہ آئے، ایک دن مالک نے اُسے رات کو دیکھا تو اس پر نورانی قندیل تھی صبح کو غلام نے کہا مجھے آزاد کر دیجئے میرا راز ظاہر ہو گیا ہے اب میں آگے نہیں چل سکتا ''ولا ارید حیاتی بعد ما اشتهر ''اس روحانی راز کے کھل جانے کے بعد اپنی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

اس عنوان کو مولانا روم علیہ الرحمہ اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں:

علتے بد تر ز پندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور ضال

فرماتے ہیں اے مغرور گمراہ غور کر تیری روح کیلئے اپنی تعریف، خود ثنائی اور باکمال ہونے کے گھمنڈ سے زیادہ مہلک اور تباہ کن کوئی بیماری نہیں۔

علّت ابلیس انا خیر بدست
زیں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

ابلیس کی یہ بیماری کہ میں ہر طور پر اچھا ہوں یہ بیماری ہر مخلوق کے نفس میں ہے (اللہ پناہ دے)

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

خدا کے ڈر سے رونا روح کی ترقی ہے

جہاں روحانیت کیلئے بے شمار رکاوٹیں ہیں وہاں ترقی کیلئے ہزاروں حسین کام بھی ہیں ان مبارک کاموں میں ایک یہ بھی ہے کہ بندہ خدا کے ڈر سے روئے، آنسو بہائے، اس کا یہ عمل اُسے قیامت کے دن دوزخ سے بچالے گا۔ اس عنوان پر حضور ﷺ کا ارشاد اس طرح ملتا ہے ''لا یلج النار من بکی من خشیۃ اللہ حتی یعود اللبن فی الفرع او کما قال ﷺ '' جو شخص خدا کے ڈر سے رویا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا اس کا دوزخ میں جانا ایسے ہی محال ہے جیسے گائے بھینس کے تھنوں سے نکالا گیا دودھ دوبارہ تھنوں میں جانا محال ہے یہ بھی یاد رہے خدا سے ڈرنے کیلئے خدا کا

علم ہونا ضروری ہے اگر خدائے ذوالجلال کی ذات کا علم نہیں تو پھر ڈر بھی پیدا نہیں ہوگا۔ شیر کو جاننے والا شیر کی دھاڑ گرج سے ڈر جائے گا مگر معصوم بچہ جو جانتا پہچانتا ہی نہیں اس کے سرہانے شیر دھاڑتا رہے اُسے خوف نہیں ہوگا کہ وہ شیر کو جانتا ہی نہیں۔ رب قدوس کو جاننے کیلئے قرآن وحدیث کے ارشادات کا مطالعہ ضروری ہے۔

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ نے ایک روایت نقل کی ہے قیامت کے دن دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور تیزی سے آگے بڑھ رہے ہوں گے حضور ﷺ دیکھ کر پریشان ہوں گے کہیں یہ شعلے میری امت کو جلا نہ دیں، حضور ﷺ کی اس پریشانی کو جبریل دیکھ کر پوچھیں گے یارسول اللہ پریشان کیوں ہیں، فرمائیں گے بھڑکتے شعلوں سے امت کے جلنے کا ڈر ہے جبریل عرض کریں گے حضور میں پانی لاتا ہوں آپ وہ پانی دوزخ کی طرف چھڑک دیں، جبریل ایک پیالے میں پانی پیش کریں گے حضور ﷺ جہنم کی طرف چھڑکا دیں گے شعلے رُک جائیں گے حضور فرمائیں گے جبریل یہ پانی کیسا ہے؟ کہ چند چھینٹوں نے شعلے بھسم کر دیئے ہیں جبریل عرض کریں گے حضور یہ پانی آپ کی امت کے ان لوگوں کے آنسو ہیں جو خدا کے ڈر سے روتے تھے میں اس پانی کو جمع کر لیتا تھا، مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اس عظیم عنوان کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

جاں چہ باشد با خبر از خیر و شر
شاد با احسان و گریان از ضرر

فرماتے ہیں روح کی کامیابی اس کی ترقی یہ ہے کہ وہ خیر و شر سے واقف ہو

نیکی وجی سے خوش ہو برائی سے غمگین ہو اور خدا کے حضور رونے والی ہو، دوسری جگہ فرماتے ہیں

پیش تو بس قدر دارد چشم تر
من چگو نہ گشتمے استیزہ گر

فرماتے ہیں اللہ کے ہاں جو رونے کی قدر ہے وہ کسی کے ہاں نہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

روح کی پرواز

روح کا اصل وطن تو عالم ارواح ہے مگر حکمت خداوندی مشیت ایزدی کے پیش نظر یہ جسم میں مقیّد ہے کہ جسم اور روح دونوں سے انسان کا وجود ہے مگر ملک دونوں کے الگ الگ ہیں جسم کو زمین سے تعلق ہے اور روح کو عالم بالا سے۔ قدرت کو منظور تھا کہ دونوں کو یکجا کر کے انسان بنا دے چونکہ جسم اور روح دونوں کے ملک الگ الگ ہیں اس لئے ان کے مزاج خوراک بھی الگ الگ ہیں، غالبًا فلسفہ بھی یہی ہے کہ جسم کو زمین سے تعلق ہے، اس لئے اس کی ساری ضروریات بھی زمین سے وابستہ ہیں کھانا پینا پہننا علاج معالجہ وغیرہ سبھی ضروریات زمین سے پوری ہوتی ہیں، روح کا تعلق عالم بالا سے ہے اس لئے اس کی ضروریات کا تعلق بھی عالم بالا سے ہے جسم کے کھانے پینے سے اسے کوئی فائدہ نہیں، روح بھوکی تو مر جائے گی مگر جسم کی خوراک نہیں کھائے گی، اب انسان کو یہ کیسے پتہ چلے کہ اس کی روح زندہ ہے یا مردہ تو صوفیاء بتاتے ہیں اگر گناہ ہو جانے کے بعد آدمی نفرت محسوس کرتا ہے، اپنے اس گناہ پر

شرمسار ہوتا ہے تو یہ نشانی روح کی حیات کی دلیل ہے، اگر گناہ ہو جانے پر فخر کرتا ہے تو یہ نشانی روح کی موت کی ہے اقبال مرحوم نے اس عنوان کو اچھا بیان کیا ہے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

کہتے ہیں گناہ ہونے پر شرم و حیاء سے بہنے والا آنسو بارگاہ قدس میں موتیوں کی قیمت پاتا ہے۔ روح انسان کو بلندی کی طرف لے جاتی ہے اس عنوان کو مولانا رومی علیہ الرحمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

روح مے بردت سوئے عرش بریں
سوئے آب و گل شدی در اسفلین

روح تو تجھے عرش بریں کی طرف لے جاتی ہے مگر تو پانی اور مٹی کی طرف نچلے درجہ میں آ گیا ہے۔ جسم کو اچھی خوراک ملے تو پہلوان ہو جاتا ہے، اکی، انو کی ناموں سے مشہور ہو جاتا ہے روح کو معیاری خوراک ملتی رہے تو ولی بن جاتا ہے تو عبدالقادر، فریدالدین، معین الدین کہلاتا ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

مشائخ کی حاضری

مولانا رومی علیہ الرحمہ روحانی اصلاح کی ترقی اور فروغ کیلئے اہل اللہ کی بارگاہ میں حاضری کو بڑی اہمیت دیتے ہیں ان کا موقف ہے، طریقت کیلئے مرشد کامل کے حضور حاضری زبردست ہتھیار ہے ان کا موقف ہے علم تو کتابوں سے ملتا ہے مگر فقر

درویشی اہل اللہ کی حاضری سے ملتی ہے۔اس مسئلہ کو مثال دے کر اس طرح سمجھاتے ہیں کہ نمک کی کان میں گدھا گرا تو نمک ہو گیا اللہ والے کی محفل میں اگر بے شعور ان پڑھ حاضر ہوا تو اس کا رنگ ڈھنگ بھی یقیناً بدل جائے گا فرماتے ہیں،

ہیزم تیرہ حریف نار شد
تیرگی رفت وہمہ انوار شد

تاریک ایندھن آگ کا حریف بن جاتا ہے اس کا اندھیرا پن چلا جاتا ہے اور مجسم نور بن جاتا ہے فرماتے ہیں اگر جانور ہنر کرتب سیکھ لیتا ہے اور بندے کی محفل جانور کو سجھا بجھا دیتی ہے تو شیخ کامل کی حاضری سے بندے کی اصلاح کیسے نہیں ہوگی، دوسری جگہ فرماتے ہیں،

بلکہ خود از آدمی در گاؤ خر
مے رود دانائی و علم و ہنر

فرماتے ہیں اگر جانور بندے سے کرتب سیکھ لیتا ہے اور بندے کی محفل جانور کو سلجھا دیتی ہے تو شیخ کامل کی حاضری سے بندہ محروم کیسے رہ سکتا ہے؟

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

میرا دل مرکز انوار کیوں نہیں؟

انسانی دل بہت بڑی شئ ہے اور یہی دل انسانی اعضاء کا سربراہ اور حکمران ہے انسانی دل میرے اعضاء کی فوج کا چیف ہے یہ مقدس عضو جب دنیا کے خیالات،

شہوات سے ملوث ہو جاتا ہے تو پھر اپنے حقیقی مقام سے گر جاتا ہے پھر یہ قلب سلیم نہیں رہتا اور قلب سلیم کا ہونا اتنا بڑا عظیم انعام ہے کہ قیامت کے دن جب مال اولاد کام نہ آسکیں گے قلب سلیم کام آئے گا جیسے قرآن مقدس فرماتا ہے ''الا من اتی اللہ بقلب سلیم '' قیامت کو بارگاہ قدس میں سرخروئی اُسی کی ہوگی جو قلب سلیم کے ساتھ حاضری دے گا۔

حرص و ہوا شہوات انسانی دل کو میلا کر دیتی ہے اسی وجہ سے میرا دل مرکز انوار بننے کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے، مولانا فرماتے ہیں

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

تجھے پتہ ہے تیرا آئینہ مرکز انوار کیوں نہیں، اس لئے کہ اس کے چہرے سے زنگار الگ نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل مرکز انوار بن جائے تو پھر ضروری ہے کہ دل کے چہرے سے زنگ کو پاک صاف کرے پھر یہ روشن و منور آئینہ کائنات بھر کو اپنے اندر سمولے گا اور مرکز انوار و تجلیات بن جائے گا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

خاک سے افلاک تک

حضرت مولانا نے اپنی کتاب مثنوی شریف میں انسان کو بلندیوں تک پہنچنے کے رازوں سے آگاہ کیا ہے اور وہ مخفی راستے بتائے ہیں جن پر چل کر بندہ منزل مقصود کو پاسکتا ہے، انسانی تخلیق مٹی سے ہوئی مگر اسے عروج یہ نصیب ہوا کہ تمام فرشتوں کو

حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو یہ سجدہ تعظیمی تھا عبادت کا نہیں مگر آج کسی کو سجدہ تعظیمی کی اجازت ہی نہیں، پہلی قوموں میں جائز رہا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سجدۂ تعظیمی کیا، ہماری شریعت مطہرہ میں ناجائز قرار دے دیا گیا جو بعض لوگ اپنے بزرگوں کیلئے سجدہ تعظیمی کے جواز کے قائل ہیں غلطی پر ہیں مولانا فرماتے ہیں عجز و انکساری آہ وزاری سے زندگی گزار اور بلندیوں کو چھو لے افلاک تک پہنچ جا، مولانا روحانیت کے عروج کیلئے عجز و انکساری کو بہت اہمیت دیتے ہیں، فرماتے ہیں

دانۂ ہر میوہ چوں گردد دفین
بعد ازاں سر ہا بر آور از زمین

ہر میوے کا بیج زمین میں ہوتا ہے زمین میں دفن ہونے کے بعد وہ بیج حسین قسم کی شاخیں نکالتا ہے اس مسئلہ کو مزید اس طرح واضح کیا کہ تمام نعمتوں کی اصل آسمان سے مٹی تک نیچے آئی تو پھر انسانی جان کی غذا بنی اس کے بعد انسان خوش ہو گیا اور عرش تک پرواز کر گیا۔

پس صفات آدمی شد آں جہاد
بر فراز عرش پرّاں گشت شاد

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ دیا جائے تو حرج نہیں کہ انسان فنا سے نکل کر بقا تک پہنچ گیا روحانیت کا آسمانوں کی بلندیوں سے آگے نکل جانے کا فلسفہ بھی یہی سمجھ آتا ہے کہ روح کا اصل وطن ہی عالم بالا ہے وطن سے دور رہنے والا اپنے وطن کو ڈھونڈتا ہے اور پالیتا ہے فرماتے ہیں

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش

باز جوید روزگار وصل خویش

اپنے اصل سے دور ہونے والا وہ پھر وصل کا زمانہ تلاش کرتا ہے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

ذکر وفکرِ خداوندی

روحانیت کو مقام عروج تک پہنچانے اور منزل مقصود تک پہنچانے کیلئے مولانا رومی علیہ الرحمہ جہاں بہت سے راستے بتاتے ہیں اُن میں ایک اہم راستہ عظیم شاہرہ ذکر الٰہی بھی بتایا ہے، خدا کی یاد اتنا بڑا وسیع حسین راستہ ہے اس راہ پر چلنے والے کیلئے حکم ہوتا ہے ''فاذکرونی اذکرکم '' تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا خدا کی یاد سے مراد صرف یہی نہیں کہ بندہ ہر لحہ اللہ اللہ کرتا رہے نماز پڑھتا رہے بلکہ یہ بھی ذکر الٰہی ہے کہ گناہ کرتے خدا یاد آجائے اور اس کے ڈر سے گناہ سے رک جائے یہ صورت بھی ذکر خداوندی میں شامل ہے ذکر وفکر کی نعمت سے ایسے راز کھلتے ہیں کشف ہوتے ہیں کہ بندہ زمین پر بیٹھا لوح محفوظ کی تحریریں پڑھ لیتا ہے، صوفیاء کے نزدیک ذکر الٰہی سے مراد اپنے دل پر الا اللہ کی ضرب لگانا ہی ہے۔ اسی عنوان کو ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار

جب تک نور سے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

عارف رومی علیہ الرحمہ نے اللہ اللہ کے ذکر کے بارہ میں اس طرح لکھا ہے

نے ترا درکار من آوردہ ام
نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام

اللہ فرماتا ہے میرے بندے اس کام میں تجھے لگانے والا میں ہی ہوں بلکہ ذکر میں تجھے مصروف کرنے والا بھی میں ہی ہوں۔

دوسرے مقام پر اسی عنوان کو اس طرح بیان فرماتے ہیں

ترس و عشق تو کمند لطف ماست
زیر ہر یارب تو لبیک ماست

میرے بندے تیرے اندر میرا ڈر میری محبت میرا عشق میری مہربانی ہے اور تیرے ہر بار یارب کہنے میں میری طرف سے بہت سے لبیک ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں اللہ اللہ کرنے کی گرمی فکر کو حرکت میں لے آتی ہے تجھے چاہیئے یادخداوندی کو آفتاب سمجھے جس کی تمازت اور روشنی سے ہزاروں پیچیدگیاں حل ہوتی ہیں فرماتے ہیں۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

فکر وہ ہے جو راستہ کھول دے اور راستہ وہ ہے جو محبوب حقیقی کو ملا دے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

تلاش محبوب

روحانیت کو مقام عروج تک پہچانے کو تلاش محبوب کے عنوان سے تعبیر کر لیا جائے تو بھی بہتر ہے۔ حضرت مولانا نے اس عنوان کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جس حق کی تجھے تلاش ہے جس کیلئے تو مارے مارے پھر رہا ہے اس حق تک جانے کیلئے تو دور دراز راہوں میں سرگرداں ہے وہ حق تو تیرے اندر موجود ہے، قرآن مقدس کا یہ ارشاد تیری راہنمائی کر رہا ہے ''نحن اقرب الیہ من حبل الورید'' ہم شہ رگ سے بھی قریب ہیں اس نکتہ کو پہچان لے محبوب مل جائے گا۔

اس ضمن میں صوفیاء کا موقف بڑا واضح ہے فرماتے ہیں ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے رب قدوس کو پہچان لیا اس حقیقت کو نہ سمجھنے والے حق کی راہ سے بہت دور ہو جاتے ہیں اور محبوب تک یہ راہ پانے کیلئے کئی مشکلات میں پھنس جاتے ہیں۔ مولانا نے اس عنوان کو اپنے اس ارشاد میں واضح کیا ہے

آنچہ حق است اقرب از حبل الورید
تو فگندہ تیر فکرت را بعید

فرماتے ہیں حق تو شہ رگ سے بھی نزدیک ہے، تو نے اپنی سوچ کے تیر کو بہت دور پھینکا ہے اس عنوان کو اپنے دوسرے شعر میں اس طرح فرمایا

جاہدو فینا بگفت آں شہر یار
جاہد و عنّا نہ گفت اے بے قرار

جن لوگوں نے ہمارے ہاں آنے کیلئے شہ رگ کے قرب سے ہمیں تلاش کیا "لنھدینھم سبلنا" ہم اُنہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔ جاھد و فینا کا معنی ہے ہماری طرف آنے کی کوشش کرنا، جاہدوعنا کا معنی ہے ہماری طرف سے دور جانے کی کوشش کرنا۔ سیدنا بایزید بسطامی علیہ الرحمہ اپنے عبادت وریاضت کے طویل سفر طے کرنے کے بعد افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کاش حبل الورید کی حقیقت سے میں پہلے آگاہ ہوجاتا تو ریاضت کی مشکلات سے بچ جاتا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

دنیا کا قرب خدا سے دوری ہے

محبوب حقیقی تک پہنچنے کیلئے دنیا کا پیار اس کی محبت بھی زبردست رکاوٹ ہے، مال ودولت کی حرص رب سے دوری کا سبب بن جاتی ہے قرآن مقدس فرماتا ہے "الھٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر" تمہیں مال ودولت کی کثرت کی خواہش نے برباد کر دیا یہاں تک کہ اسی دھن میں قبروں میں چلے گئے۔ صوفیاء کہتے ہیں تھوڑی سی دنیا آخرت کے بہت سے بڑے بڑے کاموں سے محروم کر دیتی ہے دنیا کی محبت حق سے دوری کا سبب بنتی ہے، مال و دولت کی کثرت سے دل سے خدا خوفی سوز وگداز کے ختم ہونے کا شدید اندیشہ ہے۔ اسلام میں حسب ضرورت دنیا سے فائدہ اٹھانے کی مخالفت نہیں "ربنا آتنا فی الدنیا حسنہ" کا زریں اصول بیان فرمایا ہے، دنیا کا ایسا پیار جو خدا سے غافل کر دے اس سے نفرت کا درس دیا گیا ہے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی اپنے دور کے ایک مشہور بزرگ عبیداللہ احرار کی زیارت کیلئے گئے اُن

بزرگوں کے ہاں مال ودولت کی فراوانی تھی، ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر واپس آ گئے فرمایا، ''نہ مرد آنست کہ دنیا دوست دارد'' وہ بندہ ولی نہیں ہوسکتا جو دنیا سے پیار رکھتا ہے، مولانا جامی فرماتے ہیں میں نے رات خواب میں قیامت کا منظر دیکھا، میرے نامہ اعمال میں کسی کے قرض کی ادائیگی باقی تھی جو میرے لئے پریشانی کا باعث بنی کہ یہ رقم کہاں سے لاؤں، وہی بزرگ خواب میں ملے اور فرمایا مولانا پریشان کیوں ہیں میں نے عرض کی حضور قرض دینا ہے مال ہے نہیں، تو فرمایا مولانا ہمارے کسی گھوڑے کی زین لے لیں اور قرض اتار دیں، بیداری ہوگئی شرمندگی کے ساتھ ان بزرگوں کے ہاں حاضری دی، ان بزرگوں نے فرمایا، مولانا آپ کل آئے تھے اور بغیر ملے واپس چلے گئے اور ایک فارسی کا مصرعہ کہا وہ تو سنائیں، مولانا جامی نے سنایا ''نہ مرد آنست کہ دنیا دوست دارد'' وہ مرد نہیں کہ جو دنیا سے پیار رکھتا ہے۔ حضرت عبیداللہ احرار نے فرمایا اگلا مصرعہ میری طرف سے ملالیں اور شعر مکمل کرلیں ''اگر دارد برائے دوست دارد'' اگر دنیا کا مال دوست کیلئے رکھتا ہے تو حرج نہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے اس عنوان کو اپنے اس شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن

نے قماشی و روزی و فرزند و زن

فرماتے ہیں دنیا خدا سے غافل ہونے کا نام ہے، کاروبار اولاد بیوی بچے دنیا نہیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

نفس کو ذبح کر دے

روحانیت کی ترقی اس کے عروج کیلئے یہ بھی ایک کامیاب عمل ہے کہ اپنے نفس کو ذبح کر دو، مولانا روم علیہ الرحمہ نے اس عظیم کام کیلئے نسخہ بتا دیا ہے فرماتے ہیں نماز میں اللہ اکبر کا نعرہ اس طرح بلند کر کہ تو اللہ رب العزۃ کے حضور قربانی دے رہا ہے ،اس عنوان کو اس شعر میں اس طرح بیان کیا۔

معنی تکبیر ایں ست اے امیم
کائے خدا پیش تو قربان شدیم

فرماتے ہیں تکبیر کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ ہم تیرے آگے قربان ہیں۔ بندے کا بارگاہ قدس میں اپنی انا، خودداری، کبر وغرور کو مٹا کر سر بسجود ہونا نفس کو ذبح کرنا ہے۔ نماز کی حالت میں بارگاہ قدس میں حاضری بے پناہ انوار و برکات کا سبب بنتی ہے، قیام کی حالت میں اس پر رحمت کی گھٹا چھا جاتی ہے، نیکیاں بارش کی طرح برستی ہیں، اس نمازی کو فرشتے چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی تجلیات سامنے آجاتی ہیں۔ ایک فرشتہ کہتا ہے اے نمازی دیکھ تیرے سامنے کون آیا اور تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟ یہ تجھے پتہ چل جائے تو قیامت تک نماز سے سلام نہ پھیرے اور اسی حالت میں مر جائے، پنجگانہ نماز کی ادائیگی بھی روحانی پرواز کیلئے کامیاب نسخہ ہے۔ افسوس ہے ہم سستی کرتے ہیں، اللہ اکبر کہہ کر نفس کو ذبح کرنے کے عنوان کو ایک اور جگہ پر اس طرح فرمایا،

گوئی اللہ اکبر و آں شوم را

سر ببر تاوا رہد جاں از فنا

فرماتے ہیں جیسے تم جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر کہتے ہو، نفس کو ذبح کرتے وقت بھی نماز کی ادائیگی میں یہ کہہ کر نفس کو کچل دو کہ جان بچ جائے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

یکے از خدامِ صوفیاء

ابوالنصر منظور احمد

جامعہ فریدیہ ساہیوال

۲۰۱۵-۰۶-۱۶